مجلّہ

سہ ماہی

رشد وہدایت

جولائی تا ستمبر ۲۰۱۶ء

مدیرتحریر

مولانا ضیاء الحق خیرآبادی

9235327576

مدیرمسئول

مولانا عبدالعظیم قاسمی

9559999984

مرکزِ اشاعت

مدرسہ تحفیظ القرآن

سکھٹھی، مبارکپور، ضلع اعظم گڈھ یوپی 276404

Email: zeyaulhaquekbd@gmail.com

مدرسہ تحفیظ القرآن سکٹھی مبارکپور کا دینی و علمی و اصلاحی ترجمان

سہ ماہی
مجلّہ رُشد وہدایت

جلد نمبر:۱ | شوال، ذی قعدہ، ذی الحجہ ۱۴۳۷ھ (جولائی تا ستمبر ۲۰۱۶ء) | شمارہ نمبر:۴

زیر نگرانی: مولانا ضیاء الدین صاحب قاسمی ندوی، استاذ مدرسہ تحفیظ القرآن

مدیر تحریر
مولانا ضیاء الحق خیر آبادی
9235327576

مدیر مسئول
مولانا عبد العظیم قاسمی
9559999984

مجلس ادارت
مولانا انوار احمد صاحب خیر آبادی اعظمی
ڈاکٹر محمد الیاس صاحب الاعظمی
مولانا ڈاکٹر محمد ارشد صاحب قاسمی لال گنج
مولانا عبد اللہ خالد صاحب قاسمی خیر آبادی
مولانا ڈاکٹر محامد ہلال صاحب اعظمی
مولانا مفتی فیض احمد صاحب اعظمی کویت
مولانا عبد الباسط صاحب قاسمی سعودی عرب

مجلس مشاورت
جناب ابو البیان سیٹھ صاحب (ممبئی)
جناب نسیم احمد خاں صاحب (سعودی عرب)
مولانا ابو طالب صاحب (بھیونڈی)
جناب شمیم احمد صاحب (امریکہ)
جناب محمد کاشف صاحب (ممبئی)
جناب ڈاکٹر محمد وامق صاحب (ممبئی)
جناب خورشید احمد صاحب (لکھنؤ)

مرکزِ اشاعت: **مدرسہ تحفیظ القرآن**
سکٹھی، شاہ محمد پور، پوسٹ مبارکپور، ضلع اعظم گڈھ (یوپی) 276404

بسم اللہ الرحمن الرحیم

فہرست مضامین

اپنی بات	مولانا عبدالعظیم قاسمی (مدیر مسئول)	۳
آغاز سخن	مدیر تحریر	۵
علماء و مصلحین امت اوران کے فتنے	حضرت مولانا سیّد محمد یوسف بنوریؒ	۱۰
فتنوں کی ہمہ گیری اوراس سے بچنے کی تدبیر	حضرت مولانا اعجاز احمد صاحب اعظمیؒ	۱۴
قربانی: تاریخ، فضائل اور مسائل	مولانا محمد نجیب صاحب قاسمی سنبھلی	۲۰
زندگی کے متعلق اسلام کا نظریہ	مولانا ضیاء الدین صاحب قاسمی ندوی	۳۰
صبح خیزی کے ثمرات وبرکات	مولانا شفیع اللہ اعظمی قاسمی	۳۶
تحریک آزادی میں علماء دیوبند کا کردار	مولانا ضیاء الحق خیرآبادی	۳۹

زرِتعاون

سالانہ:=/100 | فی شمارہ: =/25 | خصوصی: =/1000

مضمون نگار کی رائے سے ادارہ کا اتفاق ضروری نہیں ہے

افتتاحیہ بسم اللہ الرحمن الرحیم

اپنی بات

مولانا عبدالعظیم صاحب (مدیر مسئول)

گذشتہ پندرہ جولائی ۲۰۱۶ء نے تاریخ عروج وزوال کے صفحات میں تُرک عوام کو ایک ایسا مقام دے دیا، جس کے بعد ترکوں پر ''ترکِ ناداں'' کا لگا نشانِ تحقیر ''ترک دانا'' کے تمغۂ تعظیم سے بدل گیا، ترکوں نے اپنی حاضر دماغی، دوراندیشی اور حوصلہ مندی وجمہوریت پسندی کا ایسا ثبوت دیا کہ ترکی ایک خونی انقلاب کی دہلیز پر جا کر واپس جمہوریت کی شاہ راہ پر پہلے سے زیادہ قوت واعتماد کے ساتھ لوٹ آیا اور خدایانِ مغرب کی اس کوشش کو ناکام بنا دیا گیا، جس کے ذریعہ اسلامی غیرت وحمیت سے سرشار ترکی عوام کو پھر سے کمال اتاترک کے لادینی نظریات کے تابع بنانا تھا۔

یورپ خاص کر یہودی لابی کی پوری کوشش تھی کہ کسی طرح ترکی کے بلند ہوتے ہوئے آفتابِ حریت وقیادت کو غروب کر دیا جائے؛ اس لیے کہ ترکی کا اقبال اسرائیل کے زوال کی داستان رقم کر رہا ہے، ترکی جو کبھی خلافت عثمانیہ کا مرکز اور مسلمانان عالم کے اتحاد امت کی علامت تھا اور یورپ وامریکہ نے پہلی جنگ عظیم کے بعد مصطفیٰ کمال پاشا کے ذریعہ خلافت عثمانیہ کے چھ سو سالہ عہد کو ختم کرا کر اس کے قائدانہ کردار اور مسلمانانِ عالم کے اتحاد پر کاری ضرب لگائی تھی، اس کا فائدہ اٹھا کر عربوں کو خودمختاری کے نام پر چھوٹی چھوٹی ریاستیں دے کر ٹکڑیوں میں تبدیل کر دیا گیا تھا، پھر ۱۹۴۵ء میں اسرائیل کا ناسور فلسطین کے قلب میں داخل کر دیا گیا، جو درحقیقت امریکہ ویورپ کی فلسطین اور عربوں کی نگہبانی کے لیے ایک چوکی ہے۔ خلافت عثمانیہ کے اختتام کے ساتھ ہی مسلمانوں کی عالم گیر قیادت اور متحدہ خلافت کی تیرہ سو سال پرانی تاریخ کا باب بند ہو چکا تھا، اس کے بعد آج تک مسلمانوں کو متحد نہیں دیکھا گیا اور اسلام جو مسلمانوں کا شعار تھا اس کی جگہ وطنیت، قومیت اور علاقائیت کو شعار بنا دیا گیا، آج مسلمان ترک، عرب، عجم میں تقسیم ہو کر وطن وقوم کے نام پر اسلام کے نظام وحدت کو پارہ پارہ کرنے میں امریکہ ویورپ کے آلۂ کار کے طور پر استعمال ہو رہے ہیں۔

۱۹۲۲ء میں عثمانی خلافت کو کالعدم قرار دے کر مصطفیٰ کمال پاشا نے ترکی کو اسلامی فکر وثقافت سے آزاد کرنے اور یورپ کی مغربی تہذیب وذہنیت میں تبدیل کرنے کے لیے عربی زبان، مذہب اسلام، اذان ونماز، داڑھی یعنی تمام اسلامی شعار پر پابندی عائد کردی اور سیکولر فوج کو لادینیت واباحیت کو فروغ دینے کا مشن سونپ دیا۔

ترکی کو اسلام کی روشن شاہ راہ پر لانے کی پہلی کوشش نجم الدین اربکان نے اسّی کی دہائی میں شروع کی، ترک عوام ذہنی وفکری طور پر اسلام پسند اور دین دار تھے اور ہیں، نجم الدین اربکان کی حکمت آمیز کوشش بارآور ہونے لگی اور پھر ان ہی کے تربیت یافتہ رجب طیب اردگان نے پہلے وزیر اعظم اور پھر صدر کے طور پر اقتدار سنبھالا تو حکومت سے فوج کے اثرات کو ختم کرنے اور اسلام کو پھر سے تازگی بخشنے میں کامیابی حاصل کی، انھوں نے ترکی کی اقتصادیات کو مستحکم کیا، عوام کے بنیادی مسائل حل کئے اور ترکی کو ایک طاقت ور ملک بنانے کا حیرت انگیز کارنامہ انجام دیا، اسی کے ساتھ رجب طیب اردگان نے فلسطینی عوام کی کھل کر حمایت کی اور کررہے ہیں، دین پسند تنظیموں اور سیاسی جماعتوں کی حمایت میں امریکہ ویورپ کی تنقیدوں کا ڈٹ کر جواب، مصر میں مرسی کی حکومت کی تائید میں پیش پیش رہے اور ڈاکٹر عبدالفتاح سیسی کی بغاوت اور منتخب حکومت کو برخاست کرکے مصر پر قبضہ کرنے کی مخالفت کی اور برابر کررہے ہیں، یہی وہ سب کارنامے تھے جن کی وجہ سے اردگان یورپ کی نظر میں معتوب ہیں، ان پر الزام لگایا جاتا ہے کہ وہ ترکی کو اسلامی نظام سے وابستہ کررہے ہیں جس سے یورپ کو خطرہ ہے۔

۱۵/جولائی ۲۰۱۶ء کی فوجی بغاوت کے پس پردہ یورپ کا ہاتھ ہونے میں کسی کو شبہ نہیں، مگر یورپ وامریکہ اس سے انکار کرتے ہیں، اگر فوجی بغاوت کامیاب ہوجاتی تو یورپ میں ہر طرف جشن منایا جاتا، مگر قابل مبارک باد ہیں غیور ترک عوام کہ انھوں نے اپنے ہر دل عزیز صدر کی ایک اپیل پر لاکھوں کی تعداد میں گھروں سے نکل کر باغی فوجیوں کو ہر طرف سے گھیر لیا، ٹینکوں کے سامنے لیٹ گئے، سڑکوں کو اپنے وجود سے جام کردیا، یہ تاریخ انقلاب کا وہ نرالا انداز ہے جو کسی نے نہ سنا ہے اور نہ اس کا تصور کیا ہے، لیکن ترکوں نے مسلمانوں کو اتحاد کی طاقت اور حوصلہ مندی کا ایک عملی پڑھایا ہے کہ:

ایک ہوجائیں تو بن سکتے ہیں خورشید مبیں
ورنہ ان بکھرے ہوئے تاروں سے کیا بات بنے

ہندوستان کے پچیس کروڑ مسلمان ہوں، دوسرے خطوں کے بے سہارا مسلمان، (بقیہ ص:۹ پر)

اداریہ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

آغاز سخن

از:۔ مدیر تحریر

برصغیر (ہندو پاک و بنگلہ دیش) میں مسلمانوں کی تعداد پچاس کروڑ سے زائد ہے، جو پوری دنیا کی مسلم آبادی کا ایک تہائی سے بھی زائد حصہ ہے، ان تینوں ملکوں میں مسلمانوں کا دینی تعلیمی نظام تقریباً یکساں ہے، عام طور پر یہاں کے اسلامی مدارس وجامعات میں تعلیم کا آغاز شوال سے ہوتا ہے اور اختتام شعبان میں، رمضان المبارک کی تعطیل ان مدارس کے لئے فراہمی مالیات کا موسم ہوتا ہے، اس لئے کہ ان مدارس کی اکثریت اپنی اپنی حکومتوں سے کسی قسم کی امداد قبول نہیں کرتی، اور مسلمانوں کے عمومی چندے سے یہ مدارس اپنا بجٹ پورا کرتے ہیں۔ بنیادی طور پر فراہمی مالیات کا یہ نظام ونظریہ بانیان دارالعلوم دیوبند کے وضع کردہ اصولوں کے تابع ہے، جن کا خیال یہ تھا کہ ان مدارس کو حکومت کی دخل اندازی سے محفوظ رکھ کر خالص دینی ومذہبی تعلیم وتربیت کے ذریعہ علماء کرام وداعیان اسلام کو تیار کیا جائے، اور اس طرح سے اسلام اور احکام اسلام کو اپنی اصالت وصداقت پر باقی رکھا جائے اور اخلاص وللّٰہیت اور آخرت کے اجر وثواب کی نیت سے یہ فضلائے مدارس علوم اسلامیہ کی ترویج، احکام ومسائل کی تشریح اور حسبۃً للہ دعوت وتبلیغ کی خدمات انجام دیں، جو کہ اصل دینی واسلامی مزاج اور اسوۂ نبوی ہے۔

الحمد للہ اسی نہج واسلوب کا ثمرہ ہے کہ اس گئے گزرے دور میں بھی یہاں علماء اور عوام کے درمیان ایک گہرا ربط اب بھی باقی ہے، اور علماء عوام پر ایک مثبت اثر رکھتے ہیں، یہی وجہ ہے اس خطہ کے مسلمان دوسرے علاقوں کے مسلمانوں کے مقابلے میں کہیں زیادہ دین دار، خدا پرست اور سنت وشریعت پر عامل وکاربند ہیں، اس کا احساس عموماً حج کے موقع پر بہت ہوتا ہے، اگر یہ مدارس حکومتوں کی امداد قبول کرتے تو اس کی دخل اندازی سے محفوظ نہیں رہ پاتے، اور یہ حکومتیں بہر صورت اپنا وضع کردہ تعلیمی نصاب کسی نہ کسی صورت میں نافذ کرنے کی کوشش کرتیں، جیسا کہ حکومت کی طرف سے امداد یافتہ مدارس کے سلسلہ میں اب مشاہدہ ہو رہا ہے، اور جن

ملکوں میں مدارس حکومت کے کنٹرول میں ہیں وہ تو بس ایک دکھاوے کی چیز (شوپیس) بن کر رہ گئے، وہاں حکومتیں جیسے چاہتی ہیں اسی کے چشم وابرو کے مطابق یہ فضلاء چلتے ہیں، مصر کی مثال ہمارے سامنے ہے۔

برصغیر کے ان مدارس عربیہ کے بارے میں اگر یہ دعویٰ کیا جائے کہ یہ درسگاہ نبوی مدرسہ صفہ سے ایک نسبت وتعلق رکھتے ہیں تو غلط نہ ہوگا، اس لئے کہ ان مدارس کی اصل وہی درسگاہ نبوی ہے جہاں اسلام کے مخاطبینِ اولین نے زانوئے تلمذ تہ کیا۔ برصغیر کے باحمیت مسلمانوں کے لئے یہ فخر کی بات ہے کہ وہ اسلام کے ان مراکز سے براہ راست تعلق رکھتے ہیں اور ہر طرح سے ان کی نصرت واعانت کرتے ہیں، آج کے روشن خیال مسلمان چاہے جس قدر حقارت سے ان مدارس کو دیکھیں لیکن اسلام دشمن طاقتیں خوب اچھی طرح سمجھتی ہیں کہ برصغیر میں اسلام کا صحیح خدوخال کے ساتھ باقی رہ جانا بہت کچھ ان مدارس ہی کی دین ہے۔ شاید یہی وجہ ہے کہ یہ مدارس اسلام دشمن طاقتوں کی نگاہ میں خار بن کر کھٹک رہے ہیں، انگریزوں کے دور سے لیکر آج تک برابر مدارس کے خلاف منصوبہ بندیاں جاری ہیں، اور ہر روز حکومتوں کے ذریعہ نئے نئے مسائل کھڑے کئے جاتے ہیں۔

عربی مدارس کی تاریخ غار حراء کے اس پیغام سے شروع ہوتی ہے جب قلب محمد عربیﷺ پر پہلی وحی کا نزول ہوتا ہے، اور اِقرأ یعنی پڑھئے سے اسلامی تعلیم کا آغاز ہوتا ہے، اس پہلی وحی کے بعد علم کی تحصیل واشاعت کو اسلام نے ایک مشن کے طور پر لیا، خود رسول اللہﷺ کی رسالتی ذمہ داریوں میں سب سے مہتم بالشان ذمہ داری کتاب اللہ کی تلاوت، کتاب وحکمت کی تعلیم اور اسی کے ذریعہ قلوب کی صفائی اور تزکیہ تھا۔ اللہ کے رسول پر جس قدر آیات کا نزول ہوتا آپ اسے صحابہ کرام کو سناتے، صحابہ اس کو یاد کر کے دوسروں کو سناتے، اس طرح تعلیم وتعلم کا یہ سلسلہ ایک محدود دائرے میں مکہ کی سرزمین پر خوف وہراس کے ماحول میں چلتا رہا۔ پھر جب مدینہ میں امن وسکون کا ماحول میسر آیا تو مسجد نبوی باضابطہ تعلیم وتربیت کا مرکز بن گئی، خود معلم انسانیتﷺ صحابہ کرام کی تعلیم وتربیت فرماتے تھے، صفہ صحابہ کا دار الاقامہ اور مسکن تھا، جن کے طعام کی ذمہ داری خوش حال صحابہ نے لے رکھی تھی، گویا یہ کہا جاسکتا ہے کہ پہلا اقامتی مدرسہ یہی صفہ کی درسگاہ تھی، جس کی کفالت عام مسلمانوں نے حسب استطاعت اپنے ذمہ لے رکھی تھی، چونکہ اس وقت فقر وفاقہ کا عام ماحول تھا، ابھی فتوحات اسلامی کا آغاز نہیں ہوا تھا لہٰذا صفہ کے مکینوں کو اکثر بھوکا بھی رہنا پڑتا تھا لیکن جو کاروانِ علم خاتم النبیین

ﷺ کی قیادت وامامت میں چل پڑا تھا اسے اب قیامت تک کے لئے چلنا ہی تھا، وہ چلتا ہی رہا، اور اس میں روز بروز وسعت پیدا ہوتی رہی۔ یہ منجانب اللہ علوم دینیہ (قرآن وحدیث جو کہ اسلام کی اصل ہیں) کی اشاعت وحفاظت کا قدرتی نظم ہے جو کہ ابتداء اسلام سے ہی قائم ہے۔

آنحضور ﷺ تو دیگر انبیاء سابقین کی طرح اپنا رسالتی مشن مکمل کر کے دنیا سے تشریف لے گئے، لیکن اسلام اور اس کا آفاقی پیغام تو قیامت تک کے لئے ہے، اس لئے تعلیم وتعلم کا یہ سلسلہ ہر دور اور ہر عہد میں جاری رہا تا کہ اسلام کا یہ آفاقی پیغام اپنی اصل روح اور حقیقت کے ساتھ باقی رہے، اس میں کسی طرح کی تحریف وتبدیلی نہ ہو سکے، چنانچہ رسول اللہ ﷺ کے وصال کے بعد صحابہ کرام نے ساری دنیا میں اسلام کا پیغام پہونچایا، ان کی بڑی بڑی درسگاہیں تھیں جس سے ہزاروں طالبین فیضیاب ہوتے تھے، تفصیل کے لئے مورخ اسلام قاضی اطہر مبارکپوریؒ کی کتاب ''خیر القرون کی درسگاہیں....'' ملاحظہ فرمائیں۔

علم کا یہ کارواں غار حراء سے مکہ کی وادیوں میں پہونچا، اور وہاں سے اس کا پہلا پڑاؤ مدینہ منورہ میں ہوا، عہد اموی میں اس کا خاص مرکز دمشق بنا، عہد عباسی میں یہ مرکز دمشق سے بغداد اور کوفہ وبصرہ کی طرف منتقل ہوا، جہاں اپنے وقت کے بڑے بڑے علماء ومحدثین، ائمہ مجتہدین اور صالحین امت نے علوم ومعارف کے چشمے جاری کئے۔ یہاں سے یہ کاروان علم خلافت عباسیہ کے دور دراز علاقوں تک رواں دواں رہا، حکومتوں کے بدلنے کے ساتھ یہ مراکز بھی بدلتے رہے، نورالدین زنگی وصلاح الدین ایوبی کے دور میں مصر وشام علوم اسلامیہ کے مراکز رہے، ایک دور وہ آیا جب وسط ایشیا کے یہ علاقے سمرقند وبخارا، ترمذ وخراسان اور نیشاپور واصفہان وغیرہ علوم وفنون کے مرکز بنے، جہاں سے امام بخاری، امام مسلم، اور امام ترمذی جیسے نامور محدثین، شیخ ابوالحسن خرقانی وفریدالدین عطار جیسے صوفیاء اور امام رازی وبوعلی سینا جیسے حکماء پیدا ہوئے۔ ایک طویل عرصہ تک یہ کاروان علم وفن خلفاء وسلاطین کی سرپرستی میں دمشق وبغداد، مراکش واندلس، مصر وشام، سمرقند وبخارا، شیراز وقم اور خراسان واصفہان جیسے شہرہ آفاق شہروں میں سرگرم سفر رہا۔ اور دور دور سے تشنگان علم وفن سفر کر کے ان علاقوں میں آتے تھے اور سیراب ہو کر جاتے تھے۔ تاریخ نے بغداد ومصر، قرطبہ وغرناطہ اور سمرقند وبخارا کے ہزاروں آفتابہائے علوم ومعارف کے ناموں اور ان کے لازوال کارناموں کو محفوظ رکھا ہے، ہر فن کے باکمال ماہرین کی علمی خدمات کا ثبوت وہ ہزاروں نادر ونایاب کتابیں ہیں، جن سے دنیائے علم وفن آج بھی استفادہ کر رہی ہے، بلکہ دانشوران یورپ انھیں سے خوشہ چینی کر کے دانشور کہلائے، اور یہ

جن کی میراث تھی وہ اس کی قدر و قیمت کو فراموش کر بیٹھے، یورپ نے ان کو اپنی علمی و تحقیقی ترقیات کا زینہ بنالیا اور آج انہی کتابوں کی بدولت وہ اپنی علمی بالادستی قائم کئے ہوئے ہیں۔ شاید اسی ناقدری کا کرب علامہ اقبال کے اس شعر میں ظاہر ہو رہا ہے ؎

مگر وہ علم کے موتی کتابیں اپنے آبا کی
جو دیکھیں ان کو یورپ میں تو دل ہوتا ہے سی پارہ

یہ فدائیان علم اور یہ ائمۂ فن صرف مسلمانوں کے لئے نہیں بلکہ بنی نوع انسانی کے تمام طبقات کے لئے قدرت کا عطیہ اور انعام تھے۔ اور یہ سب اسی کاروان علم و معرفت کا حصہ ہیں جو غار حراء کے پیغام سے تشکیل پایا تھا، جس کے قائد و رہبر خاتم النبیین محمد عربی ﷺ تھے، پھر آپ کے بعد آپ کے وارثین ہیں۔

غار حرا سے پھوٹنے والے نور علم کی شعاعیں سندھ کے ساحل پر بھی چمکیں اور علم کا یہ کارواں دنیا کے مختلف ملکوں اور خطوں سے ہوتا ہوا سندھ کے راستے ہندوستان میں بھی داخل ہوا اور یہ خطہ بھی اس کا مرکز و محور بنا۔ ایک زمانے میں دہلی، اجمیر، ملتان اور لاہور میں علماء کرام کی دانشگاہیں اور صوفیاء کرام کی خانقاہیں تھیں جہاں سے دولت علم کے ساتھ تزکیہ قلب اور اصلاح باطن کی دولت بھی ملتی تھی، فقہاء و محدثین کی علمی مجلسوں سے علم و تحقیق کے نئے نئے گوشے سامنے آتے تھے۔ عہد مغلیہ کے نامور حکمراں اورنگ زیب عالمگیر کی علم پروری و علماء نوازی نے دلی کو رشک بغداد و قرطبہ بنا دیا تھا، اس نے اس دور کے متعدد علماء و فقہاء کو جو اپنے علم و تقویٰ میں درجۂ امامت کو پہونچے ہوئے تھے، فتاویٰ ہندیہ (جو فتاویٰ عالمگیری کے نام سے مشہور ہے) کی ترتیب کا ذمہ دار بنایا، جن کی سالہا سال کی عرق ریزی کے بعد فتاویٰ ہندیہ جیسی جامع کتاب وجود میں آئی جو آج علماء و مفتیان کرام کے لئے مرجع و ماخذ ہے۔ اسی طرح شاہ ولی اللہ محدث دہلوی اور ان کی اولاد و احفاد نے فن حدیث کو ایسا فروغ دیا کہ قدماء محدثین کی یاد تازہ ہوگئی، اسی وقت مشرق میں علماء فرنگی محل و علماء صادق پور و عظیم آباد اپنی عظیم علمی تحقیقات دنیا والوں کے سامنے لا رہے تھے۔ ۱۸۵۷ء کی ناکامی کے بعد شاہ ولی اللہ کے علمی ورثہ کو لیکر کچھ دور اندیش اور پاک طینت بزرگوں نے دیوبند نامی قصبہ میں ایک مدرسہ کی بنیاد رکھی، جو تاریخ میں دارالعلوم دیوبند کے نام سے مشہور ہوا، پھر تو کچھ ہی عرصہ کے بعد ہندوستان کے طول و عرض میں مدارس کا ایک جال سا بچھ گیا، جس کے ذریعہ ہندوستانی مسلمانوں کے لئے دین اور علم دین کی بقا و تحفظ کا

ایک مضبوط ذریعہ مل گیا جس نے آگے چل کر ہندوستان کی تاریخ پر بڑے دوررَس اثرات مرتب کئے۔ان کی تفصیل ان مدارس کی تاریخ پر لکھی گئی کتابوں میں دیکھی جاسکتی ہے۔

یہ چودہ سوسالہ طویل علمی سفر کا ایک سرسری جائزہ تھا، افسوسناک بات یہ ہے کہ اب مدارس سے مسلمانوں کے عوام وخواص کی وہ دلچسپی اور گرم جوشی باقی نہیں رہی، اس میں جہاں تک دین سے دوری اور مادیت کے غلبہ کے ساتھ دوسرے اسباب وعوامل کا دخل ہے وہیں ارباب مدارس کی دینی وعملی کمزوریوں کا بھی دخل ہے، جن کو دور کرنا ان کی اولین ذمہ داری ہے، تاکہ یہ مدارس اسلامیہ جو حقیقت میں دین کی مضبوط پناہ گاہیں ہیں، جہاں سے دین کے محافظ اور اسلام کے داعی پیدا ہوتے ہیں، جو غار حراء کے پیغام کے امین ومحافظ اور نبوت کے مشن کے ذمہ دار ہیں، ان کو مضبوط ومستحکم کیا جائے، اوران کی وہی افادیت اب بھی باقی رہے جو کبھی ماضی میں ان کا شعار رہا ہے، ورنہ عوام کے ساتھ ارباب مدارس بھی مواخذہ اور گرفت سے بری نہیں ہوسکتے۔اللہ تعالیٰ ہمیں اپنی اپنی ذمہ داریوں سے عہدہ برآ ہونے کی توفیق عطا فرمائیں۔

☆☆☆☆☆

(بقیہ ص:۴ کا)

ان پر فرقہ پرست عناصر اور اسلام دشمن طاقتوں کی طرف سے جو عالم گیر دباؤ ہے، اس کو اپنے ملی اتحاد اور باطل کے سامنے سیسہ پلائی دیوار بن کر ختم کیا جاسکتا ہے، ترکوں نے چھ سوسال تک عالم اسلام اور مسلمانوں کی جو خدمت کی ہے، اس کی وجہ سے دنیا بھر کے امن پسند، اسلام دوست مسلمان دلی محبت کرتے ہیں اور رجب طیب اردگان کی اصلاحی کاوشوں سے مسلمانوں کے بین الاقوامی اتحاد کی امیدیں لگاتے ہیں، ان کو طیب اردگان کی شکل میں عصر حاضر کے سلطان صلاح الدین ایوبی کی جھلک دکھائی دے رہی ہے، اس لیے فوجی بغاوت کی ناکامی اور جمہوری حکومت کی سلامتی پر عام طور پر ہر مسلمان کو بے پناہ مسرت ہے، بغاوت کے بعد صدر اردگان نے جراثیم کو پاک کرنے کی جو مہم شروع کی ہے اس کی تائید ہر طبقہ سے ہورہی ہے اگرچہ امریکہ ویورپ بے تحاشا گرفتاریوں پر اپنی تشویش درج کرا کر اپنے نفاق کا ثبوت دے رہے ہیں؛ لیکن جب تک ترک عوام اردگان کے ساتھ ہیں اور ان کے دل میں ملت اسلامیہ کا درد ہے تب تک ان شاء اللہ صدر اردگان کو کوئی خطرہ نہیں ہوگا اور ترکی فوج اور سیول سروس کی صفائی کے بعد ایک اعتدال پسند انصاف وترقی پر گامزن ترکی، مسلمانوں کے درپیش مشکلات ومسائل کے حل کا مرکز بنے گا۔ ○○○

بسم اللہ الرحمن الرحیم

علماء و مصلحین امت اور ان کے فتنے

از قلم: محدث العصر حضرت مولانا سید محمد یوسف بنوریؒ

سب سے بڑا صدمہ اس کا ہے کہ مصلحین کی جماعتوں میں جو فتنے آج کل رونما ہو رہے ہیں نہایت خطرناک ہیں، تفصیل کا موقع نہیں، لیکن فہرست کے درجہ میں چند باتوں کا ذکر ناگزیر ہے:

۱-مصلحت اندیشی کا فتنہ

یہ فتنہ آج کل خوب برگ و بار لا رہا ہے، کوئی دینی یا علمی خدمت کی جائے اس میں پیش نظر دنیاوی مصالح رہتے ہیں، اس فتنہ کی بنیاد نفاق ہے، یہی وجہ ہے کہ بہت سی دینی و علمی خدمات برکت سے خالی رہتی ہیں۔

۲-ہر دل عزیزی کا فتنہ

جو بات کہی جاتی ہے اس میں یہ خیال رہتا ہے کہ کوئی بھی ناراض نہ ہو، سب خوش رہیں، اس فتنہ کی اساس حب جاہ ہے۔

۳- اپنی رائے پر جمود واصرار

اپنی بات کو صحیح وصواب اور قطعی و یقینی سمجھنا، دوسروں کی بات کو درخور اعتنا اور لائق التفات نہ سمجھنا، بس یہی یقین کرنا کہ میرا موقف سو فی صد حق اور درست ہے اور دوسرے کی رائے سو فی صد غلط اور باطل، یہ اعجاب بالرائے کا فتنہ ہے اور آج کل سیاسی جماعتیں اس مرض کی شکار ہیں، کوئی جماعت دوسرے کی بات سننا گوارا نہیں کرتی، نہ حق دیتی ہے کہ ممکن ہے کہ مخالف کی رائے کسی درجہ میں صحیح ہو یا یہ کہ شاید وہ بھی یہی چاہتے ہوں جو ہم چاہتے ہیں، صرف تعبیر اور عنوان کا فرق یا الاہم فالاہم کی تعیین کا اختلاف ہو۔

۴-سوئے ظن کا فتنہ

ہر شخص یا ہر جماعت کا خیال یہ ہے کہ ہماری جماعت کا ہر فرد مخلص ہے اور ان کی نیت بخیر ہے اور باقی تمام جماعتیں جو ہماری جماعت سے اتفاق نہیں رکھتیں وہ سب خود غرض ہیں، ان کی نیت صحیح

نہیں، بلکہ اغراض پر مبنی ہیں، اس کا منشا بھی عجب وکبر ہے۔

۵-سوئے فہم کا فتنہ

کوئی شخص جب کسی مخالف کی بات سن لیتا ہے تو فوراً اسے اپنا مخالف سمجھ کر اس سے نہ صرف نفرت کا اظہار کرتا ہے، بلکہ مکروہ انداز میں اس کی تردید فرض سمجھی جاتی ہے، مخالف کی ایک ایسی بات میں جس کے کئی محمل اور مختلف توجیہات ہوسکتی ہیں، وہی توجیہ اختیار کریں گے جس میں اس کی تحقیر وتذلیل ہو، کیا ﴿إِنَّ بَعْضَ الظَّنِّ إِثْمٌ﴾ یقیناً بعض گمان گناہ ہیں، اور ''إِيَّاكُمْ وَالظَّنَّ فَإِنَّ الظَّنَّ أَكْذَبُ الْحَدِيثِ'' بدگمانی سے بچا کرو، کیوں کہ بدگمانی سب سے جھوٹی بات ہے اور بڑے بڑے جھوٹ اسی سے پیدا ہوتے ہیں، کی نصوص مرفوع العمل ہوچکی ہیں؟

۶-بہتان طرازی کا فتنہ

مخالفین کی تذلیل وتحقیر کرنا، بلاسند ان کی طرف گھناؤنی باتیں منسوب کرنا، اگر کسی مخالف کی بات ذرا بھی کسی نے نقل کردی بلاتحقیق اس پر یقین کرلینا اور مزے لے لے کر محافل ومجالس کی زینت بنانا، بالفرض اگر خود بہتان طرازی نہ بھی کریں، دوسروں کی سنی سنائی باتوں کو بلاتحقیق صحیح سمجھنا، کیا یہ نص قرآنی ﴿إِنْ جَاءَكُمْ فَاسِقٌ بِنَبَإٍ فَتَبَيَّنُوْا﴾ اگر آئے تمہارے پاس کوئی گناہ گار خبر لے کر تو تحقیق کرلو، کے خلاف نہیں؟

۷-جذبہ انتقام کا فتنہ

کسی شخص کو کسی شخص سے عداوت ونفرت یا بدگمانی ہے، لیکن خاموش رہتا ہے، لیکن جب ذرا اقتدار مل جاتا ہے، طاقت آجاتی ہے تو پھر خاموشی کا سوال پیدا نہیں ہوتا، گویا یہ خاموشی معافی اور درگذر کی وجہ سے نہیں تھی، بلکہ بے چارگی، ناتوانی اور کمزوری کی وجہ سے تھی، جب طاقت آگئی تو انتقام لینا شروع کیا، رحم وکرم اور عفو ودرگذر سب ختم۔

۸-حب شہرت کا فتنہ

کوئی دینی، علمی یا سیاسی کام کیا جائے، آرزو یہی ہوتی ہے کہ زیادہ سے زیادہ داد ملے اور تحسین وآفرین کے نعرے بلند ہوں، درحقیقت اخلاص کی کمی یا فقدان سے اور خودنمائی وریاکاری کی خواہش سے یہ جذبہ پیدا ہوتا ہے، صحیح کام کرنے والوں میں یہ مرض پیدا ہوگیا اور درحقیقت یہ شرک خفی ہے، حق تعالیٰ کے دربار میں کسی دینی یا علمی خدمت کا وزن اخلاص سے ہی بڑھتا ہے اور یہی تمام اعمال

میں قبول عنداللہ کا معیار ہے، اخبارات، جلسے، جلوس، دورے زیادہ تر اسی سلسلہ کی کڑیاں ہیں۔

۹- خطابت یا تقریر کا فتنہ

یہ فتنہ عام ہوتا جارہا ہے کہ لن ترانیاں انتہا درجہ میں ہوں، عملی کام صفر کے درجہ ہو، قوالی کا شوق دامن گیر ہے، عمل وکردار سے زیادہ واسطہ نہیں۔ ﴿لِمَ تَقُوْلُوْنَ مَا لاتَفْعَلُوْنَ، كَبُرَ مَقْتاً عِنْدَ اللّٰهِ أَنْ تَقُوْلُوْا مَا لاتَفْعَلُوْنَ﴾ کیوں کہتے ہو منھ سے جو نہیں کرتے، بڑی بیزاری کی بات ہے اللہ کے یہاں کہ کہو وہ چیز جو نہ کرو۔ خطیب اس انداز سے تقریر کرتا ہے، گویا تمام جہان کا درد اس کے دل میں ہے، لیکن جب عملی زندگی سے نسبت کی جائے تو درجہ صفر ہوتا ہے۔

۱۰-پروپیگنڈہ کا فتنہ

جو جماعتیں وجود میں آئی ہیں، خصوصاً سیاسی جماعتیں، ان میں غلط پروپیگنڈہ اور واقعات کے خلاف جوڑ توڑ کی وبا اتنی پھیل گئی ہے، جس میں نہ دین ہے اور نہ اخلاق، نہ عقل ہے اور نہ انصاف، محض یورپ کی دین باختہ تہذیب کی نقالی ہے، اخبارات، اشتہارات، ریڈیو، ٹیلی ویژن، تمام اس کے مظاہر ہیں۔

۱۱-مجلس سازی کا فتنہ

چند اشخاص کسی بات پر متفق ہوگئے یا کسی جماعت سے اختلاف رائے ہوگیا، فوراً اخبار میں نکالا جاتا ہے، بیانات چھپتے ہیں کہ اسلام اور ملک بس ہماری جماعت کے دم قدم سے باقی رہ سکتا ہے، نہایت دل کش عنوانات اور جاذب نظر الفاظ وکلمات سے قرار دادیں اور تجویزیں چھپنے لگتی ہیں۔ امت میں تفرق وانتشار اور گروہ بندی کی آفت اسی راستے سے آئی ہے۔

۱۲-عصبیت جاھلیت کا فتنہ

اپنی پارٹی کی ہر بات خواہ وہ کیسی ہی غلط ہو، اس کی حمایت وتائید کی جاتی ہے اور مخالف کی ہر بات پر تنقید کرنا سب سے اہم فرض سمجھا جاتا ہے، مدعی اسلام جماعتوں کے اخبار ورسائل تصویریں، کارٹون، سینما کے اشتہار، سود اور قمار کے اشتہار اور گندے مضامین شائع کرتے ہیں، مگر چونکہ ''اپنی جماعت'' کے حامی ہیں، اس لیے جاہلی تعصب کی بنا پر ان سب کو بنظر استحسان دیکھا جاتا ہے، الغرض جو اپنا حامی ہو وہ تمام بدکرداریوں کے باوجود پکا مسلمان ہے اور جو اپنا مخالف ہو اس کی نماز اور روزے کا بھی مذاق اڑایا جاتا ہے۔

۱۳-حب مال کا فتنہ

حدیث میں تو آیا ہے کہ ''حُبُّ الدُّنیَا رَأْسُ کُلِّ خَطِیْئَۃٍ'' دنیا کی محبت تمام گناہوں کی جڑ ہے، حقیقت میں تمام فتنوں کا قدر مشترک حب جاہ یا حب مال ہے، بہت سے حضرات ''رَبَّنَـا اٰتِنَا فِي الدُّنیَا حَسَنَۃً'' کو دنیا کی جستجو اور محبت کے لیے دلیل بناتے ہیں، حالانکہ بات واضح ہے کہ ایک ہے دنیا سے تعلق اور ضروریات کا حصول، اس سے انکار نہیں، نیز ایک ہے طبعی محبت جو مال اور آسائش سے ہوتی ہے، اس سے بھی انکار نہیں، مقصد تو یہ ہے کہ حب دنیا یا حب مال کا اتنا غلبہ نہ ہو کہ شریعت محمدیہ اور دین اسلام کے تمام تقاضے ختم یا مغلوب ہو جائیں، اقتصاد واعتدال کی ضرورت ہے، عوام سے شکایت کیا کی جائے، آج کل عوام سے یہ فتنہ گذر کر خواص کے قلوب میں بھی آ رہا ہے، الا ماشاء اللہ! اس فتنے کی تفصیلات کے لیے ایک طویل مقالے کی ضرورت ہے۔ حق تعالیٰ توفیق عطا فرمائے، ہم ان مختصر اشاروں کو حضرت رسول اللہ ﷺ کی محبت کی ایک دعا پر ختم کرتے ہیں۔

اَللّٰھُمَّ ارْزُقْنِي حُبَّکَ وَحُبَّ مَنْ یَّنْفَعُنِي حُبُّہٗ عِنْدَکَ، اَللّٰھُمَّ مَا رَزَقْتَنِي مِمَّا أُحِبُّ فَاجْعَلْہُ قُوَّۃً لِي فِیْمَا تُحِبُّ، اَللّٰھُمَّ وَمَا زَوَیْتَ عَنِّي مِمَّا أُحِبُّ فَاجْعَلْہُ فَرَاغاً لِي فِیْمَا تُحِبُّ. اَللّٰھُمَّ اجْعَلْ حُبَّکَ أَحَبَّ إِلَيَّ مِنْ نَفْسِي وَأَھْلِي وَمِنَ الْمَاءِ الْبَارِدِ.

☆☆☆☆☆

(بقیہ ص: ۳۸ کا)

اس سے مثبت سوچ پرورش پاتی ہے، جو ہمارے صحت مند خاندان اور معاشرے کے لیے بے حد ضروری ہے؛ اسی لیے تو مشہور ہے کہ ''صبح کا پیالہ اکسیر کا نوالہ''۔

خلاصۂ کلام یہ کہ صبح سوتے رہنے اور اس عظیم وقت کو برباد کرنے سے ہمارے لیے دونوں جہان کا خسارا ہے، ہم اپنے اس عمل سے خدا کی دو عظیم نعمتوں کو ٹھکرا رہے ہوتے ہیں: (۱) خدا کا متعین کردہ فرض یعنی نماز فجر جس سے ہم غافل ہو کر پڑے سوتے رہتے ہیں۔ (۲) خدا کی طرف سے اترنے والی خیرات وبرکات کی بارش جس میں چرند وپرند، پیڑ پودے، مچھلیاں، ہر مخلوق جان دار وغیر جان دار سب کے سب شاداں وفرحاں ہو کر لطف اندوز ہو رہے ہوتے ہیں اور ہمارے جوان وبوڑھے خواب غفلت میں پڑ کر محرومی کا شکار ہو جاتے ہیں، جس کا لازمی نتیجہ تنگ دستی، مفلوک الحالی، صحت وعافیت سے خالی ہونے کی شکل میں ظاہر ہوتا ہے۔ ﴿إِنَّ فِـيْ ذٰلِکَ لَآیَـاتٍ لِـقَـوْمٍ یَسْمَعُوْنَ﴾ ۔

دیدہ عبرت کو وا کرے کوئی

بسم اللہ الرحمن الرحیم

فتنوں کی ہمہ گیری اور اس سے بچنے کی تدبیر

حضرت مولانا اعجاز احمد صاحب اعظمی علیہ الرحمہ

مشہور محدث امام ابوالحسین مسلم بن الحجاج قشیری نے اپنی کتاب **الجامع الصحیح** میں جو مسلم شریف کے نام سے معروف ہے، اور صحاح ستہ (حدیث کی چھ صحیح کتابوں) میں ایک ہے، اور بخاری شریف کے بعد اسی کا درجہ کا ہے، ایک مفصل حدیث نقل کی ہے، جو ہمارے موجودہ حالات میں بہت ہی قابل غور ہے، اور اس کے تقاضوں کو پیش نظر رکھنا، اور انھیں عمل میں لانے کا اہتمام کرنا بہت ہی ضروری ہے، اس حدیث کے راوی حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ ہیں، جن کو رسول اللہ ﷺ بہت ہی خاص خاص باتیں بتایا کرتے تھے، اور اسی لیے وہ آپ کے ''صاحب سر'' (رازوں سے باخبر) کہے جاتے تھے، سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ ان کے قول وعمل کا بہت لحاظ رکھتے تھے، یہی حضرت حذیفہؓ فرماتے ہیں کہ ہم لوگ حضرت عمرؓ کی خدمت میں حاضر تھے، آپ نے حاضرین سے دریافت فرمایا کہ تم میں سے کسی نے رسول اللہ ﷺ سے فتنوں کا تذکرہ سنا ہے، کچھ لوگوں نے جواب دیا کہ ہم نے سنا ہے، آپ نے فرمایا کہ شاید تم وہ فتنہ سمجھ رہے ہو، جو آدمی کو اس کے اہل وعیال اور پڑوس کے سلسلے میں پیش آتا ہے، انھوں نے کہا جی! ہم یہی سمجھ رہے ہیں، آپ نے فرمایا کہ اس سلسلے کی لغزشوں اور خطاؤں کا کفارہ تو نماز، روزہ اور صدقہ سے ہوجاتا ہے، لیکن کسی نے آپ سے اس فتنہ کا تذکرہ سنا ہے؟ جو سمندر کی طرح موجیں مارتا ہوا چلے گا۔ اس پر سب لوگ خاموش رہے، میں نے عرض کیا کہ میں نے سنا ہے، فرمایا: ہاں تم نے سنا ہوگا، اللہ تمھارے باپ کو مبارک کرے! حضرت حذیفہؓ نے فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے کہ فتنے قلوب پر لگاتار اس طرح آئیں گے جیسے چٹائی ایک ایک تنکے سے بنی جاتی ہے، تو جس قلب میں یہ فتنے جذب ہوگئے، اس میں سیاہ نقطے پڑ جاتے ہیں، اور جس قلب نے انھیں اجنبی سمجھ کر جھٹک دیا، اس میں ایک روشن نقطہ بن جاتا ہے، اس طرح ایک قلب تو بالکل سنگ مرمر کی طرح سفید اور روشن ہوجاتا ہے، جس میں رہتی دنیا تک کوئی فتنہ اثر نہیں کرسکتا، اور دوسرا قلب کالا، راکھ میں اٹا ہوا الٹے پیالے کی

طرح ہو جاتا ہے، جو نہ معروف سے مانوس ہوتا، اور نہ منکر سے اسے وحشت ہوتی، وہ صرف اسی چیز کو جانتا ہے، جسے اس کی نفسانیت نے جذب کیا ہے''۔

حدیث میں بعض اجزاء اور بھی ہیں، لیکن ہم نے اپنے موضوع سے متعلق جو حصہ تھا، اسے نقل کیا ہے، یہاں حدیث کے چند الفاظ کی وضاحت ضروری ہے، تا کہ قارئین کے سامنے وہ بات واضح رہے، جو رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمائی ہے۔

اس میں ایک لفظ ''فتنہ'' ہے، اس کی جمع ''فتن'' ہے، اردو محاورہ میں فتنہ کا معنی لڑائی جھگڑا اور اختلاف وانتشار ہے، لیکن عربی میں ''فتنہ'' کا معنیٰ امتحان اور آزمائش کے ہیں، خواہ وہ امتحان اپنے نتیجہ کے اعتبار سے خیر ہو، یا شر، لیکن زیادہ تر اس کا استعمال اس آزمائش اور امتحان کے لیے ہوتا ہے، جس سے شر کا ظہور ہوتا ہو، چنانچہ فتنہ کا اطلاق کفر پر، دور از کار تاویلات پر، ذلت ورسوائی پر، مصیبت اور عذاب پر، لڑائی جھگڑے پر، اچھائی سے برائی کی طرف پلٹنے پر اور کسی چیز کی محبت میں غلو پر ہوتا ہے۔

اہل و مال کا فتنہ یہ ہے کہ ان کی محبت میں پڑ کر آدمی دینی احکام میں کوتاہی کرنے لگتا ہے، یہی حال پڑوس کا بھی ہوتا ہے، کبھی پڑوس کی محبت میں اور کبھی اس کی عداوت میں آدمی حد سے تجاوز کر جاتا ہے، اور غلطیوں میں مبتلا ہو جاتا ہے، ان غلطیوں کا کفارہ روزمرہ کی عبادات ہو جاتی ہیں، یہ فتنے تو ہمہ دم آدمی کے ساتھ ہیں، ان کی اصلاح ومغفرت کا سامان بھی منجانب اللہ مہیا ہیں، اگر آدمی نماز روزے اور عبادات کا پابند ہے، تو یہ روزمرہ کی خطائیں، خود بخود بجھتی رہتی ہیں۔

لیکن ایک فتنہ وہ ہے، جس کے بارے میں فرمایا گیا ہے کہ **تموجُ موجَ البحرِ**، سمندر کی طرح موجیں مارتا ہوا آئے گا، یعنی جس طرح سمندر کی موجیں باہم ٹکراتی ہیں، ایک دوسرے کے پیچھے اس طرح سر اٹھاتی ہیں، جیسے ہر ایک دوسرے کے تعاقب میں ہے، اسی طرح یہ فتنے یکے بعد دیگرے آئیں گے، باہم گتھم گتھا ہوں گے، لڑائی جھگڑے کی کثرت ہوگی، کوئی کسی کی رعایت کو تیار نہ ہوگا، پاس ولحاظ اٹھ جائے گا، لوگ جانوروں سے بدتر ہو جائیں گے، ان فتنوں کی کیفیت کیا ہوگی، فرماتے ہیں کہ **تُعْرَضُ الفِتَنُ عَلَى القُلوبِ كا لحَصِيرِ عُوداً عُوداً** جس طرح چٹائی بنی جاتی ہے، تو ایک تنکے کو دوسرے تنکے سے جوڑتے چلے جاتے ہیں، اسی طرح قلوب فتنوں کی آماجگاہ بن جائیں گے، ایک فتنہ آئے گا اور معاً اس کے بعد دوسرا فتنہ آئے گا، اگر قلب ہر فتنہ سے متاثر ہوتا گیا، اور اس میں ملوث ہوتا رہا

تو وہ سیاہ ہوتا رہے گا، اور نوبت یہاں تک پہنچے گی کہ بالکل کالا ہو کر رہ جائے گا، جیسے راکھ میں اٹا ہوا ہو اور اوندھے پیالے کی طرح ہو جائے گا کہ اس میں نہ علم ٹھہرے گا، نہ معرفت۔ خیر کی ہر بات اس سے باہر ٹپک جائے گی، پھر نہ اسے نیکی اور خیر کی کوئی پہچان ہوگی، نہ اس سے مانوس ہوگا، اور نہ برائی سے اسے کوئی وحشت اور تنفر باقی رہے گا، یعنی بھلائی سے دور اور برائی میں ڈوبا ہوا ہوگا، وہ بس اسی بات کو قبول کرے گا، جو اس کی خواہش نفس کے مطابق ہو۔

اور اگر قلب ایسا ہے کہ اس نے ان فتنوں کو رد کر دیا، ان سے نہ متاثر ہوا، اور نہ ان میں ملوث ہوا، بلکہ علم ومعرفت کی روشنی میں اللہ تعالیٰ کی توفیق سے اطاعت الٰہی میں سرگرم رہا، تو وہ قلب ایسا ہوگا، جیسے سنگ مرمر جو چکنا بھی ہوتا ہے، اور سفید بھی کہ اس پر کوئی گندگی اثر نہیں کرتی، اسی طرح یہ دل صاف اور روشن ہوتا ہے، اور پتھر کی طرح مضبوط ہوتا ہے، اس پر کوئی فتنہ اثر نہیں کر سکے گا۔

اس حدیث پر غور کریں، اور جن حالات سے مسلمان گزر رہے ہیں، ان پر غور کریں، تو یہ حدیث رسول اللہ ﷺ کے معجزات میں معلوم ہوتی ہے۔ آج ہمارے سامنے واقعی وہی منظر ہے کہ فتنہ موجیں مار رہا ہے، اس پوری کائنات انسانی میں ہر طرف جو چیز بکھری ہوئی پڑی ہے، بلکہ سب پر گھیرا ڈالے ہوئے ہے، وہ فتنہ ہی ہے، گھر گھر بلکہ ہر ہر فرد کو یہ فتنہ عام ہے، ایک فتنہ تھمتا نہیں کہ دوسرا فتنہ سامنے آجاتا ہے، یہ فتنے باہر سے اٹھتے ہیں اور دلوں کے اندر جذب ہوتے ہیں، اور دل کے اندر سے اٹھتے ہیں اور باہر پھیلتے جاتے ہیں۔

فتنوں کے عموم وشیوع کا یہ حال ہے کہ ایک بات کہیں سے اٹھتی ہے، اور ذرائع ابلاغ کی قوت ووسعت اس کو چند لمحوں میں ساری دنیا میں پہنچا دیتی ہے، اور جگہ جگہ فتنے کی آگ بھڑک اٹھتی ہے، مثلاً:

ڈیڑھ دو سال پہلے امریکہ کی ایک بلند وبالا عمارت پر حملہ ہوا، کس نے حملہ کیا، اس بات کی آج تک تحقیق نہ ہو سکی، ادھر یہ حملہ ہو رہا ہے، عمارت تباہ ہو رہی ہے، اور ساری دنیا کو یہ بات معلوم ہو گئی، سب تھرا گئے کہ دیکھئے اب کیا ہوتا ہے؟ سب کی ٹکٹکی ادھر ہی لگ گئی، اور نزلہ گرا ایک غریب، اور بے کس ملک پر، کیونکہ وہ مسلمان تھا، اور مسلمان رہنا چاہتا تھا، مہینوں ساری دنیا کی نگاہیں اسی پر لگی رہیں، قلوب الٹتے پلٹتے رہے، لوگ شور مچاتے رہے کہ غلط ہو رہا ہے، مگر سمندر بن کر جو فتنہ موج مار رہا ہو، وہاں کوئی آواز کب سنائی دے سکتی ہے؟ اس فتنہ کا اثر ساری دنیا پر پڑا، کتنے لوگوں کے ایمان

ڈگمگائے، خدا ورسول پر جنکو یقین تھا، وہ شک میں مبتلا ہونے لگے، مایوسی وشکستگی کی بدلیاں فضائے قلوب پر چھا گئیں، لوگ ایسا محسوس کرنے لگے کہ افغانستان اور طالبان نہیں، خود اسلام ختم ہوجائے گا، یہ فتنہ تھمتا تو کیا؟ فتنہ پرور ہی ذرا تھک گیا، تو دوسرے چند ممالک کو دھمکیاں دے کر ہراساں کرنے لگا، اور اپنے سدھائے ہوئے کتے اسرائیل کی پیٹھ ٹھونک دی، اس نے فلسطینیوں پر ہلہ بول دیا، اور ظلم ودرندگی کی وہ خونچکاں داستان مرتب کی کہ اگلے پچھلے سب ظالم شرما جائیں۔

اُدھر یہ سب ہو ہی رہا تھا کہ ہندوستان میں بابری مسجد کو عنوان بنا کر گودھرا میں فتنہ کی ایک چنگاری پھینکی گئی، اور وہ آن واحد میں شعلہ بن کر احمد آباد اور اس کے مضافات میں مسلم آبادیوں کو تہس نہس کر گئی۔ اللہ جانے اس کی چنگاریاں کہاں کہاں اڑ کر پہنچی ہیں، ان مسلسل فتنوں کی وجہ سے قلوب کی حالت بگڑ گئی ہے، ظلم وستم کی ہر چیرہ دستی کے بعد یہ گمان ہوتا ہے کہ اب قلوب اللہ کی طرف پلٹیں گے، اب لوگ اللہ کو راضی کرنے کی تگ ودو کریں گے، مگر دیکھا یہ جاتا ہے کہ معاملہ برعکس ہو رہا ہے، قلوب میں اللہ سے بغاوت کا جذبہ کچھ اور بڑھ جاتا ہے، برائیوں کی طرف جھکاؤ زیادہ ہو جاتا ہے، اصلاحِ حال کے بجائے خرابی کی صورت پھیل جاتی ہے، ایک فتنہ باہر موج مار رہا ہے اور ایک فتنہ قلوب میں گھسا ہوا ہے، قلوب کا فتنہ یہ ہے کہ اس میں خیر کی صلاحیت نہ رہے، اگر اس کے سامنے کوئی خیر کی بات لائی بھی جاتی ہے، تو شر وفساد کی شکل اختیار کر لیتی ہے، اس قلب کی مثال الٹے پیالہ جیسی ہو جاتی ہے، جس میں کوئی خیر کی بات نہ ٹھہرتی ہے اور نہ جمتی، بس اس کی خواہش نفس کی وجہ سے جو چیز چمٹ جاتی ہے، وہی رہتی ہے اور اس کے مناسب کوئی چیز مل جاتی ہے، تو وہ بھی چمٹ جاتی ہے۔

یہ دونوں طرح کے فتنے اس دور میں موجیں مار رہے ہیں، معاشرہ بھی فاسد ہے، اور قلوب بھی فاسد ہیں، قلب کا صلاح یہ ہے کہ وہ ان فتنوں کو رد کر دے، ان کا کوئی اثر قبول نہ کرے، وہ سنگ مرمر کی طرح سخت مضبوط اور چکنا ہو جائے کہ برائیاں اس سے ٹکرائیں تو، مگر اچٹ کر ناکام واپس ہو جائیں، قلب میں اگر اتنی صلاحیت پیدا ہو جائے، تو اسے کوئی فتنہ ضرر نہیں پہنچا سکتا۔

ایسے قلوب ہر زمانے میں کم رہے ہیں، اور ہمارے دور میں تو بہت کم ہیں، لیکن اللہ کی زمین خالی نہیں ہے، اچھے لوگ اور اچھے قلوب مل جاتے ہیں، گو مشکل سے ملتے ہیں اور کم ملتے ہیں، یہ قلوب فتنوں سے محفوظ رہتے ہیں، اور فتنوں سے پناہ انھیں حضرات کے زیر سایہ مل سکتی ہے۔ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے: **بَدَأَ الإسلامُ غريباً و سَيعودُ كما بَدَأَ غَريباً فَطُوبىٰ لِلْغُرَباءِ** (مسلم شریف)

اسلام کا جب آغاز ہوا تھا تو یہ لوگوں کے درمیان اجنبی تھا، یعنی لوگوں کا ماحول ومعاشرہ، ان کے احوال وکوائف بالکل جداگانہ تھے، اسی ماحول میں چند لوگوں نے اسلام قبول کیا، اس کے احکام وتعلیمات کو اپنی زندگی کا شعار بنایا، تو یہ لوگ سارے ماحول سے کٹے ہوئے اجنبی سے محسوس ہوئے، وہ خود اپنے کو اس ماحول میں اجنبی سمجھ رہے تھے، اور دنیا والے بھی انھیں اجنبیت کی نگاہ سے دیکھتے تھے، پھر آہستہ آہستہ اسلام کا حلقہ وسیع ہوتا گیا، لوگوں میں اس کا تعارف بڑھتا گیا، یہاں تک کہ لوگ مانوس ہوگئے، اجنبیت دور ہوگئی، اب یہ ایک معروف ومسلم حقیقت بن کر لوگوں کی نگاہوں اور دلوں میں جاگزیں ہو گیا، رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ پھر ایک وقت ایسا آئے گا کہ یہ مذہب دوبارہ اجنبی بن جائے گا۔ اسلام کے خلاف ایک ایسا ماحول برپا اور ایک ایسی تہذیب مسلط ہو جائے گی کہ اس ماحول میں اسلام پر عمل کرنے والا محض اجنبی بن کر رہ جائے گا۔ اب یہاں اہل اسلام کے سامنے دو راہیں ہیں، ایک یہ کہ اپنی اجنبیت سے گھبرا کر، اس سے وحشت زدہ ہو کر اپنی مخصوص شناخت اور اپنی خاص وضع کو خیر باد کہہ کر عام ماحول ومعاشرہ میں گھل مل جائیں، اسلام کے آثار واعمال کو اپنے اوپر سے کھرچ کر پھینک دیں، تاکہ دیکھنے والا، برتنے والا جان ہی نہ سکے کہ یہ بھی مسلمان ہیں۔

دوسری راہ یہ ہے کہ اسلام کے تقاضوں پر، اس کی تعلیمات پر، اس کی شناخت اور وضع پر باصرار ڈٹ جائیں، اور اس سلسلے میں کسی دباؤ کی پرواہ نہ کریں، دنیا مخالف سمت دوڑ رہی ہے، مگر یہ اپنی سمت جارہے ہیں، دیکھنے والے دیوانہ اور سنکی کہہ رہے ہیں، ساری خلقت تو اُدھر جارہی ہے، تم ادھر کہاں جارہے ہو؟ یہ طعنے سنتے رہیں، تحمل کرتے رہیں، الجھنے سے گریز کرتے رہیں، مگر اپنی راہ پر لگے رہیں۔

اس آخری دور میں، اور اجنبیت کے اس ماحول میں یہ دو راہیں ہیں۔ پہلی راہ دنیاوی اعتبار سے آسان ہے، اس راہ میں آدمی خود کو چلتی بھیڑ میں گم کر دیتا ہے، اور دنیا کے اعتبار سے اس بھیڑ کو جو فوائد حاصل ہوتے ہیں، اس میں یہ بھی حصہ دار بنتا ہے، اس میں بظاہر دنیا کا فائدہ ہے، زندگی کی سہولت ہے، جہاں جائے گا، کہیں اجنبیت کی نگاہ سے نہیں دیکھا جائے گا، لیکن اس سہولت کے لیے، اس کو ایک بہت بڑی قربانی دینی پڑتی ہے، اور وہ بھی ناروا، وہ قربانی آخرت کی قربانی ہوتی ہے، جس طریق پر اسلام نے چلنے کی تلقین کی ہے، جب اسے چھوڑا تو آخرت کی راہ چھوڑی، جنت کی راہ چھوڑی،، ایمان میں اضمحلال پیدا ہوا، عبادات میں زوال آیا، طاعات سے برکنار ہوا، کفر والحاد کی

موجودہ طوفانی ہوا میں بھی خطرناک راہ اختیار کرنے والے زیادہ ہیں، دنیا مقصود ومعبود بنی ہوئی ہے، اس راہ میں آخرت کی تباہی تو ہے ہی، مسلمانوں کی دنیا بھی کچھ زیادہ بامراد نظر نہیں آتی، کیونکہ جب کہیں سود وزیاں کا معاملہ پڑتا ہے، تو کفر کی طاقتیں، انھیں مسلمان کہہ کر، ان کے ساتھ وہی معاملہ کرتی ہیں، جو مسلمانوں کے حق میں ان کے منصوبے میں داخل ہوتا ہے، متعدد فسادات میں کمزور ایمان والوں نے اپنی شناخت چھوڑی، کفر کی شناخت اختیار کی، مگر نتیجہ وہی رہا کہ سب کے ساتھ وہ بھی ہلاک کردیے گئے، دنیا بھی گئی، آخرت بھی گئی!! ﴿خَسِرَ الدُّنیا و الآخِرَۃَ و ذٰلِکَ هُوَ الْخُسرانُ الْمُبِیْنُ﴾

دوسری راہ دنیاوی اعتبار سے بہت مشکل ہے، لوگوں کے طنز وطعن ہیں، کوئی ساتھ دینے کے لیے تیار نہیں ہوتا، اپنے گھر میں بھی آدمی اجنبی بن جاتا ہے، وہ حال ہوجاتا ہے کہ بات کرے تو کوئی سننے کو تیار نہ ہو، رشتہ چاہے تو کوئی رشتہ کرنے پر آمادہ نہ ہو، دین پر عمل کرنے کا جذبہ، اسے اس کے ماحول سے کاٹ کر رکھ دیتا ہے، اس سے سب خفا ہوتے ہیں، اور وہ سب سے علیحدہ ہوجاتا ہے، یہ حالت انسان کے لیے بہت سنگین ہوتی ہے، بڑے مضبوط ارادے اور بلند حوصلہ کا مالک ہوتا ہے وہ آدمی، جو ان سب مشکلات کو برداشت کرکے خالص ایمان واسلام پر باقی رہے، یہ شخص ایسا ہے، جیسے ہاتھ پر انگارہ رکھے ہوئے ہو: ؎

ہم حوادث میں رہے کوہ و بیاباں کی طرح
اور ہوں گے ترے سانچے میں جو ڈھل جاتے ہیں

مگر اس کا اثر یہ ہوتا ہے کہ انھیں افراد کی وجہ سے دین کا تحفظ ہوتا ہے، فتنے رفع ہوتے ہیں، اور آخرت میں تو ان کا وہ عالم ہوگا کہ سو سو شہیدوں کا ثواب حاصل کریں گے، اللہ تعالیٰ کی خوشی اور رضا انھیں حاصل ہوگی، مولانا محمد علی جوہرؒ نے بہت خوب کہا ہے کہ: ؎

توحید تو یہ ہے کہ خدا حشر میں کہہ دے
یہ بندہ دوعالم سے خفا میرے لیے ہے

فتنوں کے اس دور میں ایسے ہی قلوب کامیاب ہیں، انھیں تلاش کرکے ان کی پناہ میں رہنا چاہئے۔ (حدیثِ دردِ دل، ص:۱۱۲)

☆☆☆☆☆

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

قربانی تاریخ، فضائل اور مسائل

مولانا محمد نجیب قاسمی سنبھلی۔ ریاض

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعَالَمِیْن، وَالصَّلاۃُ وَالسَّلامُ عَلَی النَّبِیِّ الْکَرِیْم وَعَلٰی آلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ اَجْمَعِیْن.

قربانی کی تاریخ: حضرت ابراہیم علیہ السلام کو خواب میں دکھایا گیا کہ وہ اپنے بیٹے (اسماعیل علیہ السلام) کو ذبح کر رہے ہیں۔ نبی کا خواب سچا ہوا کرتا ہے، چنانچہ اللہ تعالیٰ کے اس حکم کی تعمیل کے لئے باپ نے بیٹے کو بتایا کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے تمہیں ذبح کرنے کا حکم دیا ہے تو فرمانبردار بیٹے اسماعیل علیہ السلام کا جواب تھا: یَآ اَبَتِ افْعَلْ مَا تُؤْمَرُ سَتَجِدُنِی اِنْ شَاءَ اللّٰہُ مِنَ الصَّابِرِیْنَ (سورۃ الصٰفٰت ۱۰۲) ابا جان! جو کچھ آپ کو حکم دیا جا رہا ہے، اسے کر ڈالئے۔ ان شاء اللہ آپ مجھے صبر کرنے والوں میں پائیں گے۔ بیٹے کے اس جواب کے بعد حضرت ابراہیم علیہ السلام اپنے بیٹے حضرت اسماعیل علیہ السلام کو جب مکہ مکرمہ سے ذبح کرنے کے لئے لے کر چلے تو شیطان نے منیٰ میں تین جگہوں پر انہیں بہکانے کی کوشش کی، جس پر انہوں نے سات سات کنکریاں اس کو ماریں جس کی وجہ سے وہ زمین میں دھنس گیا۔ آخر کار رضاء الٰہی کی خاطر حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنے دل کے ٹکڑے کو منہ کے بل زمین پر لٹا دیا، چھری تیز کی، آنکھوں پر پٹی باندھی اور اُس وقت تک چھری اپنے بیٹے کے گلے پر چلاتے رہے جب تک اللہ تعالیٰ کی طرف سے یہ صدا نہ آ گئی۔ وَنَادَیْنَاہُ اَن یَّا اِبْرَاھِیْمُ قَدْ صَدَّقْتَ الرُّؤیَا اِنَّا کَذٰلِکَ نَجْزِی الْمُحْسِنِیْنَ (سورۃ الصٰفٰت ۱۰۴۔۱۰۵) اے ابراہیم! تو نے خواب سچ کر دکھایا، ہم نیک لوگوں کو ایسا ہی بدلہ دیتے ہیں۔ چنانچہ حضرت اسماعیل علیہ السلام کی جگہ جنت سے ایک مینڈھا بھیج دیا گیا جسے حضرت ابراہیم علیہ السلام نے ذبح کر دیا۔ وَفَدَیْنَاہُ بِذِبْحٍ عَظِیْمٍ (سورۃ الصٰفٰت ۱۰۷) اس واقعہ کے بعد سے اللہ تعالیٰ کی رضا کے لئے جانوروں کی قربانی کرنا خاص عبادت میں شمار ہو گیا۔ چنانچہ حضور اکرم ﷺ کی امت کے لئے بھی ہر

سال قربانی نہ صرف مشروع کی گئی، بلکہ اس کو اسلامی شعار بنایا گیا اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اتباع میں حضور اکرم ﷺ کے طریقہ پر جانوروں کی قربانی کا یہ سلسلہ قیامت تک جاری رہے گا ان شاء اللہ۔

قربانی کا حکم: تمام فقہاء وعلماء کرام قرآن وسنت کی روشنی میں قربانی کے اسلامی شعار ہونے اور ہر سال قربانی کا خاص اہتمام کرنے پر متفق ہیں، البتہ قربانی کو واجب یا سنت مؤکدہ کا Title دینے میں زمانۂ قدیم سے اختلاف چلا آرہا ہے۔ حضرت امام ابوحنیفہؒ نے قرآن وحدیث کی روشنی میں ہر صاحب حیثیت پر اس کے وجوب کا فیصلہ فرمایا ہے۔ حضرت امام مالکؒ بھی قربانی کے وجوب کے قائل ہیں، حضرت امام احمد بن حنبلؒ کا ایک قول بھی قربانی کے وجوب کا ہے۔ علامہ ابن تیمیہؒ نے بھی قربانی کے واجب ہونے کے قول کو ہی راجح قرار دیا ہے۔ البتہ فقہاء وعلماء کی دوسری جماعت نے بعض دلائل کی روشنی میں قربانی کے سنت مؤکدہ ہونے کا فیصلہ فرمایا ہے، لیکن عملی اعتبار سے امت مسلمہ کا اتفاق ہے کہ قربانی کا اہتمام کرنا چاہئے اور وسعت کے باوجود قربانی نہ کرنا غلط ہے خواہ اس کو جو بھی Title دیا جائے۔ "جواہر الاکلیل شرح مختصر خلیل" میں امام احمد بن حنبلؒ کا موقف تحریر ہے کہ اگر کسی شہر کے سارے لوگ قربانی ترک کردیں تو ان سے قتال کیا جائے گا کیونکہ قربانی اسلامی شعار ہے۔۔۔۔ صحابہ وتابعین عظام سے استفادہ کرنے والے حضرت امام ابوحنیفہؒ (۸۰ھ۔۱۵۰ھ) کی قربانی کے وجوب کی رائے احتیاط پر مبنی ہے۔

قربانی کے وجوب کے دلائل: قرآن وسنت میں قربانی کے واجب ہونے کے متعدد دلائل ہیں، یہاں اختصار کی وجہ سے چند دلائل ذکر کئے جارہے ہیں۔

۱) اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں ارشاد فرمایا: فَصَلِّ لِرَبِّکَ وَانْحَرْ (سورۃ الکوثر ۲) نماز پڑھئے اپنے رب کے لئے اور قربانی کیجئے۔ اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے قربانی کرنے کا حکم (امر) دیا ہے، عربی زبان میں امر کا صیغہ عموماً وجوب کے لئے ہوا کرتا ہے۔ وَانْحَرْ کے متعدد مفہوم مراد لئے گئے ہیں مگر سب سے زیادہ راجح قول قربانی کرنے کا ہی ہے۔ اردو زبان میں تحریر کردہ تراجم وتفاسیر میں قربانی کی ہی معنی تحریر کئے گئے ہیں۔ جس طرح فَصَلِّ لِرَبِّکَ سے نماز عید کا واجب ہونا ثابت ہوتا ہے اسی طرح وَانْحَرْ سے قربانی کا واجب ہونا ثابت ہوتا ہے۔ (اعلاء السنن)

۲) حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا: مَنْ کَانَ لَہ سَعَۃٌ وَلَمْ یُضَحِّ فَلا یَقْرُبَنَّ مُصَلَّانَا ۔۔ جس شخص میں قربانی کرنے کی وسعت ہو پھر بھی قربانی نہ کرے تو

(ایسا شخص) ہماری عیدگاہ میں حاضر نہ ہو۔ (مسند احمد ۳۲۱/۲، ابن ماجہ۔ باب الاضاحی واجبہ ھی ام لا؛ حاکم ۳۸۹/۲) عصر قدیم سے عصر حاضر کے جمہور محدثین نے اس حدیث کو صحیح قرار دیا ہے۔ اس حدیث میں نبی اکرم ﷺ نے قربانی کی وسعت کے باوجود قربانی نہ کرنے پر سخت وعید کا اعلان کیا ہے اور اس طرح کی وعید عموماً ترک واجب پر ہی ہوتی ہے۔

۳) نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا: مَنَ ذَبَحَ قَبْلَ الصَّلاةِ فَلْيَذْبَحْ شَاة مَكَانَهَا، وَمَنْ كَانَ لَمْ يَذْبَحْ حَتَّى صَلَّيْنَا فَلْيَذْبَحْ عَلَى اِسْمِ اللّٰهِ.. جس شخص نے نماز عید سے قبل قربانی کر لی تو اسے اس کی جگہ دوسری قربانی کرنی ہوگی۔ قربانی نماز عید الاضحیٰ کے بعد بسم اللہ پڑھ کر کرنی چاہئے۔ (بخاری. کتاب الاضاحی. باب من ذبح قبل الصلاة اعاد، مسلم. کتاب الاضاحی. باب وقتها) اگر قربانی واجب نہیں ہوتی تو حضور اکرم ﷺ نماز عید الاضحیٰ سے قبل قربانی کرنے کی صورت میں دوسری قربانی کرنے کا حکم نہیں دیتے، باوجودیکہ اُس زمانہ میں عام حضرات کے پاس مال کی فراوانی نہیں تھی۔

۴) نبی اکرم ﷺ نے عرفات کے میدان میں کھڑے ہوکر فرمایا: يَا اَيُّهَا النَّاسُ! اِنَّ عَلَى اَهْلِ كُلِّ بَيْتٍ اُضْحِيَةً فِيْ كُلِّ عَامٍ۔۔۔ اے لوگو! ہر سال ہر گھر والے پر قربانی کرنا ضروری ہے۔ (مسند احمد: ۲۱۵/۴، ابوداؤد۔ باب ماجاء فی ایجاب الاضاحی/ترمذی: باب الاضاحی واجبۃ ہی ام لا)

۵) حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے دس سال مدینہ منورہ میں قیام فرمایا اور اس عرصۂ قیام میں آپ مسلسل قربانی فرماتے تھے۔ (ترمذی ۱۸۲/۱) مدینہ منورہ کے قیام کے دوران رسول اللہ ﷺ سے ایک سال بھی قربانی نہ کرنے کا کوئی ثبوت احادیث میں نہیں ملتا، اس کے برخلاف احادیث صحیحہ میں مذکور ہے کہ مدینہ منورہ کے قیام کے دوران آپ ﷺ نے ہر سال قربانی کی، جیسا کہ مذکورہ حدیث میں وارد ہے۔

۶) حضرت علیؓ فرماتے ہیں کہ مسافر پر قربانی واجب نہیں ہے۔ (محلیٰ بالآثار ج ۶ ص ۳۷، کتاب الاضاحی) معلوم ہوا کہ مقیم پر قربانی واجب ہے۔

قرآنِ کریم میں قربانی کا ذکر:

☆ فَصَلِّ لِرَبِّكَ وَانْحَرْ (سورۂ الکوثر ۲) نماز پڑھئے اپنے رب کے لئے اور قربانی کیجئے۔

☆ وَلِكُلِّ اُمَّةٍ جَعَلْنَا مَنْسَكاً لِّيَذْكُرُوا اسْمَ اللّٰهِ عَلٰى مَا رَزَقَهُم مِّن بَهِيْمَةِ الْاَنْعَامِ

(سورۃ الحج ۳۴) قربانی کا حکم جو اس امت کے لوگوں کو دیا گیا ہے کوئی نیا حکم نہیں، پہلی امتوں کے بھی ذمہ قربانی کی عبادت لگائی گئی تھی۔۔۔ ہر امت کے لئے ہم نے قربانی کا طریقہ مقرر کیا ہے تا کہ ان چوپائے جانوروں پر اللہ کا نام لیں جو اللہ نے انہیں دے رکھے ہیں۔۔۔ نسک کے مختلف معنی ہیں، مفسرین کی ایک بڑی جماعت نے اس سے مراد قربانی لی ہے۔

☆ وَلِكُلِّ أُمَّةٍ جَعَلْنَا مَنْسَكاً هُمْ نَاسِكُوْهُ (سورۃ الحج ۶۲) ہم نے ہر امت کے لئے ذبح کرنے کا طریقہ مقرر کیا ہے کہ وہ اس طریقہ پر ذبح کیا کرتے تھے۔

☆ قُلْ إِنَّ صَلَاتِيْ وَنُسُكِيْ وَمَحْيَايَ وَمَمَاتِيْ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ (سورۃ الانعام ۱۶۲) آپ فرما دیجئے کہ یقیناً میری نماز، میری قربانی اور میرا جینا و مرنا سب خالص اللہ تعالیٰ ہی کے لئے ہے جو سارے جہاں کا مالک ہے۔

☆ لَن يَّنَالَ اللّٰهَ لُحُوْمُهَا وَلَا دِمَآؤُهَا وَلٰكِن يَّنَالُهُ التَّقْوٰى مِنْكُمْ (سورۃ الحج ۳۷) اللہ تعالیٰ کو قربانیوں کے گوشت نہیں پہنچتے نہ اُن کے خون بلکہ اسے تمہارے دل کی پرہیزگاری پہنچتی ہے۔

﴿وضاحت﴾: قربانی میں اس بات کا خاص خیال رکھنا چاہئے کہ اللہ تعالیٰ کو قربانی کا گوشت یا خون نہیں پہنچتا ہے بلکہ جتنے اخلاص اور اللہ سے محبت کے ساتھ قربانی کی جائے گی اتنا ہی اجر وثواب اللہ تبارک وتعالیٰ عطا فرمائے گا اور یہ اصول صرف قربانی کے لئے نہیں بلکہ نماز، روزہ، زکاۃ، حج یعنی ہر عمل کے لئے ہے لہذا ہمیں ریا، شہرت، دکھاوے سے بچ کر خلوص کے ساتھ اللہ کی رضا کیلئے اعمال صالحہ کرنے چاہئیں۔

﴿وضاحت﴾: ان آیات سے معلوم ہوا کہ ہر زمانے اور ہر امت میں اللہ تعالیٰ کا تقرب حاصل کرنے کے لئے جانوروں کی قربانی مشروع رہی ہے، اور یہ ایک اہم عبادت ہے اس کی مشروعیت، تاکید، اہمیت اور اس کے اسلامی شعار ہونے پر عصر حاضر کے بھی تمام مکاتب فکر متفق ہیں۔

قربانی کرنے کی فضیلت:

☆ ام المؤمنین حضرت عائشہ ؓ سے روایت ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: ذی الحجہ کی ۱۰ تاریخ کو کوئی نیک عمل اللہ تعالیٰ کے نزدیک قربانی کا خون بہانے سے بڑھ کر محبوب اور پسندیدہ نہیں اور قیامت کے دن قربانی کرنے والا اپنے جانور کے بالوں، سینگوں اور کھروں کو لے کر آئے گا۔ (اور یہ چیزیں اجر وثواب کا سبب بنیں گی)۔ نیز فرمایا کہ قربانی کا خون زمین پر گرنے سے پہلے اللہ تعالیٰ کے

نزدیک شرفِ قبولیت حاصل کرلیتا ہے، لہذا تم خوش دلی کے ساتھ قربانی کیا کرو۔ (ترمذی ۱/۱۸۰،،، ابن ماجہ)

☆ حضرت زید بن ارقمؓ سے روایت ہے کہ صحابۂ کرام نے رسول اللہ ﷺ سے سوال کیا کہ یہ قربانی کیا ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا تمہارے باپ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی سنت ہے۔ صحابۂ کرام نے رسول اللہ ﷺ سے سوال کیا کہ ہمارے لئے اس میں کیا اجر وثواب ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ہر بال کے بدلے میں نیکی ملے گی۔ (ابن ماجہ، ترمذی، مسند احمد/ الترغیب والترھیب)

☆ حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا: جس شخص میں قربانی کرنے کی وسعت ہو پھر بھی قربانی نہ کرے تو (ایسا شخص) ہماری عیدگاہ میں حاضر نہ ہو۔ (مسند احمد ۲/۳۲۱، ابن ماجہ۔ باب الاضاحی واجبہ ھی ام لا؟ حاکم ۲/۳۸۹)

☆ حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے مدینہ منورہ میں دس سال قیام فرمایا اور اس عرصۂ قیام میں آپ مسلسل قربانی فرماتے تھے۔ (ترمذی ۱/۱۸۲)

☆ حضرت علیؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: اے فاطمہ! جاؤ۔ اپنی قربانی پر حاضری دو، کیونکہ اس کے خون سے جونہی پہلا قطرہ گرے گا تمہارے سارے گناہ معاف ہوجائیں گے۔ نیز وہ جانور (قیامت کے دن) اپنے خون اور گوشت کے ساتھ لایا جائے گا۔ اور پھر اسے ستر گنا (بھاری کرکے) تمہارے میزان میں رکھا جائے گا۔ حضرت ابوسعید الخدریؓ نے عرض کیا کہ یارسول اللہ! کیا یہ (فضیلت) آل محمد ﷺ کے ساتھ خاص ہے یا آل محمد ﷺ اور تمام مسلمانوں کے لئے عام ہے؟ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: یہ فضیلت آل محمد کے لئے تو بطور خاص ہے اور تمام مسلمانوں کے لئے بھی عام ہے۔ (یعنی ہر مسلمان کو بھی قربانی کرنے کے بعد یہ فضیلت حاصل ہوگی) (الترغیب والترہیب)

﴿وضاحت﴾: قربانی کے فضائل میں متعدد احادیث کتب احادیث میں مذکور ہیں، بعض احادیث کی سند میں ضعف بھی ہے مگر قربانی کا حکم قرآن کریم واحادیث صحیحہ سے ثابت ہے، جس پر پوری امت مسلمہ کا اتفاق ہے، لہذا اصول حدیث کے مطابق فضائل قربانی میں احادیث ضعیفہ معتبر ہوں گی۔

ان مبارک ایام میں خون بہانے کی فضیلت: حضور اکرم ﷺ بذات خود نماز عید الاضحیٰ سے فراغت کے بعد قربانی فرماتے تھے، نبی اکرم ﷺ کی قربانی کرنے کا ذکر حدیث کی ہر مشہور ومعروف کتاب میں ہے۔ آپ نہ صرف اپنی طرف سے بلکہ اپنے گھر والوں اور

امت مسلمہ کے ان احباب کی طرف سے بھی قربانی کرتے تھے جو قربانی نہیں کر سکتے تھے۔ (بخاری ومسلم، ترمذی، ابن ماجہ، نسائی، ابوداؤد، مسند احمد وغیرہ) حضور اکرم ﷺ نے حجۃ الوداع کے موقعہ پر انہیں قربانی کے ایام میں ۱۰۰ اونٹوں کی قربانی دی، ان میں سے ۶۳ اونٹ نبی اکرم ﷺ نے بذاتِ خود نحر (ذبح) کئے اور باقی ۳۷ اونٹ حضرت علیؓ نے نحر (ذبح) کئے۔ حضرت جابرؓ فرماتے ہیں کہ نبی اکرم ﷺ نے عید الاضحیٰ کے دن سینگوں والے، دھبے دار خصی دو مینڈھے ذبح کئے۔ (ابوداود۔ باب مایستحب من الضحایا) غرضیکہ ان ایام میں خون بہانا ایک اہم عبادت ہے۔

قربانی نہ کرنے پر وعید: حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا: مَنْ كَانَ لَه سَعَةٌ وَلَمْ يُضَحِّ فَلا يَقْرَبَنَّ مُصَلَّانَا ۔۔ جس شخص میں قربانی کرنے کی وسعت ہو پھر بھی قربانی نہ کرے تو (ایسا شخص) ہماری عیدگاہ میں حاضر نہ ہو۔ (مسند احمد ۳۲۱/۲، ابن ماجہ۔ باب الاضاحی واجبہ ھی ام لا؟ حاکم ۳۸۹/۲) عصر قدیم سے عصر حاضر کے جمہور محدثین نے اس حدیث کو صحیح قرار دیا ہے۔

قربانی کا وقت: قربانی کا وقت نماز عید الاضحیٰ سے شروع ہوتا ہے اور ۱۲ ذی الحجہ کے غروب آفتاب تک رہتا ہے۔ نماز عید الاضحیٰ سے قبل قربانی کی صورت میں رسول اللہ ﷺ نے دوسری قربانی کرنے کا حکم دیا ہے جیسا کہ حدیث میں گزرا، اس سے قربانی کا ابتدائی وقت معلوم ہوا۔ قربانی کے آخری وقت کی تحدید میں فقہاء وعلماء کے درمیان زمانۂ قدیم سے اختلاف چلا آرہا ہے۔ حضرت امام ابوحنیفہؒ، حضرت امام مالکؒ اور حضرت امام احمد بن حنبلؒ (ایک روایت) نے ۱۲ ذی الحجہ کے غروب آفتاب تک تحریر کیا ہے جبکہ بعض علماء نے ۱۳ ذی الحجہ کے غروب آفتاب تک وقت تحریر کیا ہے۔ پہلا قول احتیاط پر مبنی ہونے کے ساتھ دلائل کے اعتبار سے بھی قوی ہے کیونکہ کسی بھی حدیث میں یہ مذکور نہیں ہے کہ نبی اکرم ﷺ یا کسی صحابی نے ۱۳ ذی الحجہ کو قربانی کی ہو، البتہ بعض احادیث وآثار کے مفہوم سے دوسرے قول کی تائید ضروری ہوتی ہے مگر اُن احادیث وآثار کے دوسرے معنی بھی مراد لئے جاسکتے ہیں مثلاً رسول اللہ ﷺ نے حجۃ الوداع کے موقع پر ارشاد فرمایا: كل فجاج مكه منحر وكل ايام التشريق ذبح (طبرانی وبیہقی)۔ اولاً اس حدیث کی سند میں ضعف ہے، احادیث ضعیفہ فضائل کے حق میں تو معتبر ہیں، لیکن ان سے حکم ثابت نہیں کیا جاسکتا ہے۔ ثانیاً بعض کتب حدیث میں یہ حدیث "وکل ایام التشریق ذبح" کے الفاظ کے بغیر مروی ہے۔

قربانی کا وقت ۱۲ ذی الحجہ کے غروب آفتاب تک ہے، اس کے چند دلائل پیش ہیں۔

☆ نبی اکرم ﷺ نے ابتدائی سالوں میں صحابۂ کرام کے اقتصادی حالات کے پیش نظر قربانی کا گوشت تین دن سے زیادہ ذخیرہ کرنے سے منع فرمادیا تھا، بعد میں اس کی اجازت دے دی گئی۔ اگر چوتھے دن قربانی کی جاسکتی ہے تو پھر تین دن سے زیادہ قربانی کا ذخیرہ کرنے سے منع کرنے کی کوئی وجہ سمجھ میں نہیں آتی۔ (کتب حدیث میں یہ حدیثیں موجود ہیں)

☆ حضرت عبداللہ بن عمرؓ فرماتے ہیں کہ ایام معلومات' یوم النحر (دسویں ذی الحجہ) اور اسکے بعد دو دن (۱۱و۱۲ ذی الحجہ) ہیں۔ (احکام القرآن للجصاص . باب الایام المعلومات / تفسیر ابن ابی حاتم رازی ج ۶ ص ۲۶۱)

☆ مشہور ومعروف تابعی حضرت قتادہؒ روایت کرتے ہیں کہ حضرت انس رضی اللہ عنہ نے فرمایا: الذَّبْحُ بَعْدَ النَّحرِ یَوْمَان ۔ قربانی دسویں ذی الحجہ کے بعد صرف دو دن ہے۔ (سنن کبری للبیھقی . باب من قال الاضحی یوم النحر) حضرت عبداللہ بن عمرؓ اور حضرت انسؓ کے علاوہ حضرت علیؓ، حضرت عبداللہ بن عباسؓ، حضرت ابوہریرہؓ، حضرت سعید بن الجبیرؒ اور سعید بن المسیبؒ کے اقوال بھی کتب حدیث میں مذکور ہیں جسمیں وضاحت کے ساتھ تحریر ہے کہ قربانی صرف تین دن ہے۔

﴿وضاحت﴾: امت مسلمہ کا اس بات پر اتفاق ہے کہ نماز عیدالاضحیٰ سے فراغت کے بعد فوری طور پر قربانی کرنا سب سے زیادہ بہتر ہے، بلکہ کچھ کھائے بغیر نماز عیدالاضحیٰ کے لئے جانا اور سب سے پہلے قربانی کا گوشت کھانا عیدالاضحیٰ کی سنن میں سے ہے۔ نبی اکرم ﷺ اور صحابۂ کرام کا یہی معمول تھا۔ اس وجہ سے ہمیں پہلے ہی دن قربانی کرنی چاہئے، اگر کسی وجہ سے پہلے دن قربانی نہ کرسکتے یا چند قربانیاں کرنی ہیں تو ۱۲ ذی الحجہ کے غروب آفتاب تک ضرور فارغ ہوجانا چاہئے کیونکہ جن بعض علماء نے ۱۳/ذی الحجہ کو قربانی کی اجازت دی ہے انہوں نے بھی یہی تحریر کیا ہے کہ ۱۲/ذی الحجہ سے قبل ہی بلکہ ۱۰/ذی الحجہ کو ہی قربانی کرلینی چاہئے۔

قربانی کے جانور کی عمر: بکرا، بکری، بھیڑ ایک سال کی ہو، بھیڑ اور دنبہ جو ہو تو چھ ماہ کا لیکن دیکھنے میں ایک سال کا معلوم ہو اور گائے، بھینس دو سال کی اور اونٹ پانچ سال کا ہو ان سب جانوروں پر قربانی کرنا جائز ہے۔

قربانی کے جانور میں شرکاء کی تعداد: حضرت عبداللہ بن

عمرؓ نے فرمایا کہ قربانی میں بکرا (بکری، مینڈھا، دنبہ) ایک شخص کی طرف سے ہے۔ (اعلاء السنن۔ باب ان البدنہ عن سبعۃ) حضرت جابرؓ نے فرمایا کہ ہم رسول اللہ ﷺ کے ساتھ حج کا احرام باندھکر نکلے اور آپ ﷺ نے ہم کو حکم دیا کہ ہم اونٹ اور گائے میں سات سات (آدمی) شریک ہوجائیں۔ (مسلم۔ باب جواز الاشتراک) حضرت جابرؓ نے فرمایا کہ ہم نے رسول اللہ ﷺ کے ساتھ حدیبیہ کے سال قربانی کی، اونٹ سات آدمیوں کی طرف سے اور گائے سات آدمیوں کی طرف سے۔ (مسلم۔ باب جواز الاشتراک فی الہدی)

قربانی کے جانور کا عیوب سے پاک ہونا: عیب دار جانور (جس کے ایک یا دو سینگ جڑ سے اکھڑ گئے ہوں، اندھا جانور، ایسا کانا جانور جس کا کانا پن واضح ہو، اس قدر لنگڑا جو چل کر قربان گاہ تک نہ پہنچ سکتا ہو، ایسا بیمار جس کی بیماری بالکل ظاہر ہو، وغیرہ وغیرہ) کی قربانی کرنا جائز نہیں ہے۔

بھینس کی قربانی کا حکم: جمہور علماء کا اتفاق ہے کہ گائے واونٹ کی طرح بھینس پر بھی قربانی کی جاسکتی ہے۔ گائے واونٹ کی طرح بھینس کی قربانی میں بھی سات حضرات شریک ہوسکتے ہیں۔

خود قربانی کرنا افضل ہے: نبی اکرم ﷺ اپنی قربانی خود کیا کرتے تھے، اس وجہ سے قربانی کرنے والے کا خود ذبح کرنا یا کم از کم قربانی میں ساتھ لگنا بہتر ہے، جیسا کہ حدیث میں گزرا کہ نبی اکرم ﷺ نے حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالی عنہا کو قربانی پر حاضر رہنے کو فرمایا۔

قربانی کا گوشت: قربانی کے گوشت کو آپ خود بھی کھا سکتے ہیں، رشتہ داروں کو بھی کھلا سکتے ہیں اور غرباء ومساکین کو بھی دے سکتے ہیں۔ علماء کرام نے بعض آثار کی وجہ سے تحریر کیا ہے کہ اگر گوشت کے تین حصے کر لئے جائیں تو بہتر ہے۔ ایک حصہ اپنے لئے، دوسرا حصہ رشتہ داروں کے لئے اور تیسرا حصہ غرباء ومساکین کے لئے، لیکن اس طرح تین حصے کرنے ضروری نہیں ہیں۔

میت کی جانب سے قربانی: جمہور علماء امت نے تحریر کیا ہے کہ میت کی جانب سے بھی قربانی کی جاسکتی ہے۔ نبی اکرم ﷺ اپنی طرف سے قربانی کرنے کے علاوہ امت کے افراد کی طرف سے بھی قربانی کیا کرتے تھے، اس قربانی کو آپ ﷺ زندہ افراد کے لئے خاص نہیں کیا کرتے تھے۔ اسی طرح حدیث میں ہے کہ حضرت علیؓ نے دو قربانیاں کی اور فرمایا کہ نبی اکرم ﷺ

نے مجھے قربانی کرنے کی وصیت فرمائی تھی اور اسی لئے میں آپ ﷺ کی طرف سے بھی قربانی کرتا ہوں۔ (ابوداؤد، ترمذی)

قربانی کرنے والے کے لئے مستحب عمل: ☆ حضرت ام المؤمنین ام سلمہ ؓ سے روایت ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: جب ذی الحجہ کا مہینہ شروع ہوجائے، اور تم میں سے جو قربانی کرنے کا ارادہ کرے تو وہ اپنے بال اور ناخن نہ کاٹے۔ (مسلم) اس حدیث اور دیگر احادیث کی روشنی میں؛ قربانی کرنے والوں کے لئے مستحب ہے کہ ذی الحجہ کا چاند نظر آنے کے بعد قربانی کرنے تک جسم کے کسی حصے کے بال اور ناخن نہ کاٹیں۔

ایک شبہ کا ازالہ: مغربی تہذیب سے متاثر ہوکر بعض حضرات نے ایک نیا فتنہ شروع کردیا ہے کہ جانوروں کے خون بہانے کے بجائے صدقہ وخیرات کرکے لوگوں کی مدد کی جائے۔ اسمیں کوئی شک وشبہ نہیں کہ اسلام نے زکوۃ کے علاوہ صدقہ وخیرات کے ذریعہ غریبوں کی مدد کی بہت ترغیب دی ہے مگر قربانی حضرت ابراہیم علیہ السلام کے اس عظیم الشان کارنامہ کی یادگار ہے جس میں انہوں نے اپنے لخت جگر کو ذبح کرنے کے لئے لٹادیا تھا اور حضرت اسماعیل علیہ السلام نے بلا چوں وچرا حکم الٰہی کے سامنے سر تسلیم خم کرکے ذبح ہونے کے لئے اپنی گردن پیش کردی تھی۔ مگر اللہ تعالی نے اپنا فضل فرما کر جنت سے دنبہ بھیج دیا، اِس عظیم الشان کارنامہ پر عمل قربانی کرکے ہی ہوسکتا ہے محض صدقہ وخیرات سے اِس عمل کی یاد تازہ نہیں ہوسکتی۔ نیز ۱۴۰۰ سال قبل نبی اکرم ﷺ نے اس امر کو واضح کردیا:

حضرت عبداللہ بن عباس ؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: عید کے دن قربانی کا جانور (خریدنے) کے لئے پیسے خرچ کرنا اللہ تعالیٰ کے یہاں اور چیزوں میں خرچ کرنے سے زیادہ افضل ہے۔ (طبرانی، دارقطنی)

قربانی کا مقصد محض غریبوں کی مدد کرنا نہیں ہے جو صدقہ وخیرات سے پورا ہوجائے بلکہ قربانی میں مقصود جانور کا خون بہانا ہے، یہ عبادت اسی خاص طریقہ سے ادا ہوگی، محض صدقہ وخیرات کرنے سے یہ عبادت ادا نہ ہوگی۔ نبی اکرم ﷺ اور صحابہ کرام ؓ کے دور میں غربت دور حاضر کی نسبت بہت زیادہ تھی، اگر جانور ذبح کرنا مستقل عبادت نہ ہوتی تو نبی اکرم ﷺ اور صحابہ کرام ؓ جانور ذبح کرنے کے بجائے غریبوں کی مدد کرتے مگر تاریخ میں ایسا ایک واقعہ بھی نہیں ملتا۔

قربانی سے کیا سبق حاصل کریں؟

(۱) جانور کی قربانی کے وقت حضرت ابراہیم علیہ السلام اور حضرت اسماعیل علیہ السلام کے عظیم الشان عمل کو یاد کریں کہ دونوں اللہ کے حکم پر سب سے محبوب چیز کی قربانی دینے کے لئے تیار ہو گئے، لہذا ہم بھی احکام الٰہی پر عمل کرنے کے لئے اپنی جان و مال و وقت کی قربانی دیں۔

(۲) قربانی کی اصل روح یہ ہے کہ مسلمان اللہ کی محبت میں اپنی تمام نفسانی خواہشات کو قربان کردے۔ لہذا ہمیں من چاہی زندگی چھوڑ کر رب چاہی زندگی گزارنی چاہئے۔

(۳) حضرت ابراہیم علیہ السلام کی زندگی میں صرف یہی ایک عظیم واقعہ نہیں بلکہ انہوں نے پوری زندگی اللہ تعالیٰ کی اطاعت و فرمانبرداری میں

گزاری، جو حکم بھی اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان کو ملا فوراً اس پر عمل کیا۔ جان، مال، ماں باپ، وطن اور لخت جگر غرض سب کچھ اللہ کی رضا میں قربان کر دیا، ہمیں بھی اپنے اندر یہی جذبہ پیدا کرنا چاہئے کہ اللہ تعالیٰ کا جو حکم بھی سامنے آئے اس پر ہم خوش و خرم عمل کریں۔

☆☆☆☆☆

صبح وشام کو پڑھی جانے والی دعائیں

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ جناب رسول کریم ﷺ ہمیشہ صبح وشام کو یہ دعائیں پڑھتے تھے۔ (مشکوٰۃ شریف)

اَللّٰھُمَّ إِنِّي أَسْأَلُکَ الْعَافِیَةَ فِي الدُّنْیَا وَالْآخِرَةِ.

اَللّٰھُمَّ إِنِّي أَسْأَلُکَ الْعَفْوَ وَالْعَافِیَةَ فِي دِیْنِي وَدُنْیَايَ وَأَھْلِي وَمَالِي.

اَللّٰھُمَّ اسْتُرْ عَوْرَاتِي وَاٰمِنْ رَوْعَاتِي.

اَللّٰھُمَّ احْفَظْنِي مِنْ بَیْنِ یَدَيَّ وَمِنْ خَلْفِي وَعَنْ یَمِیْنِي وَعَنْ شِمَالِي وَمِنْ فَوْقِي وَأَعُوْذُ بِعَظْمَتِکَ أَنْ اُغْتَالَ مِنْ تَحْتِي.

بسم اللہ الرحمن الرحیم

زندگی کے متعلق اسلام کا نظریہ

حضرت مولانا ضیاء الدین قاسمی ندوی خیرآبادی/ استاذ مدرسہ تحفیظ القرآن

کسی شاعر نے دنیاوی زندگی کی بہت جامع تعریف کی ہے، شاعر زندگی کی حقیقت کی ترجمانی اپنے بلیغ شعر میں یوں کرتا ہے:

اے شمع! تیری عمر طبیعی ہے ایک رات
ہنس کر گذار یا اسے روکر گذاردے

اللہ تعالیٰ نے ہر انسان کو ایک طبعی زندگی عطا کی ہے اور اس کو اختیار دیا ہے کہ خواہ اسے خیر وطاعت میں گذارے یا سرکشی ونافرمانی میں بسر کرے، ایک دن وہ اچھی یا بری زندگی کے اثرات وثمرات ضرور دیکھے گا اور اسی کے اعتبار سے اس کی اصلی اور ابدی زندگی شروع ہوگی۔ ﴿فَمَن يَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ خَيْراً يَّرَهُ، ومَن يَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ شَراً يَّرَهُ﴾ [الزلزال] جو شخص بھی (خواہ مرد ہو یا عورت) ایک ذرہ کے برابر بھلائی کرے گا تو اس کو دیکھے گا اور جو شخص ایک ذرہ کے برابر برائی کرے گا تو اسے دیکھے گا۔

اسی کے ساتھ اللہ تعالیٰ نے اپنے انبیاء اور اپنے صحیفوں وکتابوں کے ذریعہ خیر وشر کی راہیں بھی بتلادی ہیں اور خیر کی زندگی کے اصول وضوابط بھی بتادیئے ہیں کہ کون سے اعمال خیر رب العالمین کی اطاعت وعبادت کہلائیں گے جن کی بجا آوری دخول جنت اور رضائے رب کا موجب ہے اور یہ بھی بتادیا کہ آخرت کو سدھارنے والی زندگی کو برباد کرنے والے کون سے اعمال ہیں اور ان اعمال کی ترغیب دینے والے اللہ کے باغی اور انسان کے کھلے دشمن شیاطین کہلاتے ہیں یہ ابلیس کے کارندے ہیں جو انسان وجنات کی شکل میں سرگرم ہیں؛ لہذا ابار باران سے بچنے اور چوکنا رہنے کی تاکید فرمائی ہے، کہیں ارشاد فرمایا: ﴿إِنَّ الشَّيْطَانَ لِلإِنْسَانِ عَدُوٌّ مُّبِيْنٌ﴾ [سورة يوسف الرقم: ٥] کہیں فرمایا: ﴿يَاأَيُّهَا الَّذِيْنَ آمَنُوْا ادْخُلُوْا فِي السِّلْمِ

كَافَّةً وَّلاتَتَّبِعُوْا خُطُوَاتِ الشَّيْطَانِ إِنَّهُ لَكُمْ عَدُوٌّ مُّبِيْنٌ﴾ [سورة البقرة الرقم:۲۰۸] اے ایمان والو! تم سلامتی (والے دین اسلام) میں پوری طرح داخل ہو جاؤ اور شیطان کے نقش قدم کی پیروی مت کرو، بیشک وہ تمہارا کھلا ہوا دشمن ہے۔

اسلام نے اپنے متبعین کو پوری طرح سے دنیاوی زندگی کے فریب سے اور شیاطین کی راہ پر گامزن ہونے سے بچانے کی کوشش کی ہے؛ اس لیے کہ انسان کی اصل زندگی آخرت میں شروع ہوگی، یہ دنیا محض آخرت کی زندگی کو سنوارنے اور بنانے کے لیے دار العمل ہے، جس طرح ایک تاجر اور کاروباری انسان اپنی تجارت اور کاروبار کے لیے دوسرے شہروں اور ملکوں کا سفر کرتا ہے تو وہ کسی نہ کسی ہوٹل، سرائے یا مسافر خانے میں عارضی قیام کرتا ہے، وہ ہوٹل فائیو اسٹار ہو، زندگی کی تمام سہولیات سے آراستہ و پیراستہ ہو، مگر قیام کرنے والا یہ جانتا ہے کہ یہ راحتیں، لذتیں اور آسائشیں عارضی ہیں، میرا اصلی ٹھکانا میرا گھر اور میرا وطن ہے، لہذا اس کی عقل اس مزین قیام گاہ کے حسن و جمال میں غرق ہو کر رہ جانے کو قبول نہیں کرتی اور اس کو چھوڑنے پر اس کو کوئی رنج و غم نہیں ہوتا، بس عارضی تفریح تھی، وقتی راحت تھی، گذرنی تھی گذر گئی۔

یہی حال اس دنیا کا ہے، عارضی و وقتی ٹھکانا، تفریح کی جگہ، جہاں کچھ اچھے لمحات گذارے جاتے ہیں ﴿وَمَا هٰذِهِ الْحَيَاةُ الدُّنْيَا إِلَّا لَهْوٌ وَّلَعِبٌ وَإِنَّ الدَّارَ الآخِرَةَ لَهِيَ الْحَيَوَانُ﴾ [سورة العنكبوت الرقم: ٦٤] دنیوی زندگی تو محض ایک کھیل تماشا ہے، اصل گھر تو آخرت والا گھر ہے۔ کتنے نادان اور فریب خوردہ ہیں وہ لوگ جو اس عارضی زندگی کو گذارنے کے لیے عارضی و فانی ٹھکانے کو ترجیح دیتے ہیں اور اس کی رعنائیوں میں گم ہو کر اسی کو بنانے اور سنوارنے میں اپنی زندگی کے قیمتی لمحات کو ختم کر دیتے ہیں، ان کو شب و روز کے گذرنے کا احساس بھی نہیں ہوتا کہ ایک ایک لمحہ خالق کائنات کی نافرمانی اور جانی دشمن شیطان کی تابع داری میں گذر رہا ہے، پھر اچانک وقت موعود آجاتا ہے اور قبر کا بھیانک و تاریک قید خانہ ان کا مقدر بن جاتا ہے، وہاں جا کر اپنی حرماں نصیبی و بربادی کا علم ہوتا ہے جو بے فائدہ ہے۔ ﴿أَلْهَاكُمُ التَّكَاثُرُ حَتّٰى زُرْتُمُ الْمَقَابِرَ كَلَّا سَوْفَ تَعْلَمُوْنَ ثُمَّ كَلَّا سَوْفَ تَعْلَمُوْنَ﴾ [سورة التكاثر] مال و دولت میں ایک دوسرے سے بڑھ جانے کی ہوس نے تم کو (فکر آخرت سے) غافل کر دیا ہے، یہاں تک کہ (اس بے فکری میں) قبر تک پہنچ جاتے ہو، ہرگز نہیں تم بہت جلد جان لوگے، پھر کہتے ہیں تم بہت جلد حقیقت جان لوگے۔

قرآن مجید نے دنیاوی زندگی پر ریجھنے والوں کو جھنجھوڑا ہے، تنبیہ کی ہے کہ آخرت کی فکر کرو، اس عارضی زندگی کو اعمال صالحہ سے سوارت کرلو، ورنہ دنیا میں پڑ کر غارت ہوجاؤ گے۔ ﴿بَلْ تُؤْثِرُوْنَ الْحَيَاةَ الدُّنْيَا وَالآخِرَةُ خَيْرٌ وَّأَبْقَىٰ إِنَّ هٰذَا لَفِي الصُّحُفِ الْأُوْلَىٰ صُحُفِ إِبْرَاهِيْمَ وَمُوْسَىٰ﴾ [سورة الأعلیٰ] بلکہ تم دنیاوی زندگی کو ترجیح دیتے ہو حالانکہ آخرت زیادہ بہتر اور باقی رہنے والی ہے، یہ بات پہلے صحیفوں میں بھی بتائی گئی ہے جیسے ابراہیم وموسیٰ علیہما السلام پر نازل کردہ صحیفے اور اب قرآن میں یاددلائی جارہی ہے۔

زندگی کے اصل مقصد اور تخلیق انسانی کی صحیح غرض وغایت کو قرآن وحدیث میں متعدد اسلوب وپیرایہ میں مثالیں دے کر تاکید کے ساتھ بتایا گیا ہے؛ تاکہ ایک مسلمان خواہ کسی بھی حال میں رہے یا کسی بھی عہد وزمانے میں پایا جائے، اس کا ذہن ودماغ اور اس کی عقل وفہم آخرت کی اصلی وابدی زندگی کو بنانے اور سنوارنے میں لگی رہے، وہ دنیا کی لذتوں اور راحتوں سے بھرپور فائدہ اٹھائے، کاروبار دنیا میں مصروف بھی رہے؛ لیکن اس کی فکر آخرت سے متعلق ہو۔

اسلام نے دنیاوی زندگی کو خوش گوار بنانے اور دنیا میں قدرت کے پیدا کردہ وسائل سے مستفید ہونے اور مال ودولت کمانے سے نہ منع کیا ہے اور نہ ہی اس کو برا جانا ہے؛ کیوں کہ متاع دنیا اللہ کا انعام ہے، اس انعام کی قدر کرنا اور طیبات سے لطف اندوز ہونا بھی اللہ کی اطاعت اور اس کے انعام کی قدر کرنا ہے، اگر اللہ تعالیٰ اپنے بندوں پر دنیا کی نعمتوں سے لطف اندوز ہونا ممنوع قرار دیتا تو انھیں پیدا ہی نہیں کرتا، یا خاص اپنے مومن بندوں پر بندش لگاتا تو سب سے پہلے اپنے مقرب ترین بندے رسولوں اور نبیوں پر عائد فرماتا؛ مگر یہاں تو معاملہ یہ ہے کہ اپنے برگزیدہ رسولوں کو مخاطب فرماتے ہوئے حکم دیتا ہے: ﴿يَا أَيُّهَا الرُّسُلُ كُلُوْا مِنَ الطَّيِّبَاتِ وَاعْمَلُوْا صَالِحاً﴾ [سورة المؤمنون الرقم: ۵۱] اے جماعت مرسلین! جو اچھی اور پاکیزہ چیزیں ہیں انھیں کھاؤ۔ جب انبیاء ورسل کو حکم ہے تو پھر عام لوگوں پر کیسے پابندی ہوسکتی ہے! لہذا فرمایا: ﴿يَا أَيُّهَا الَّذِيْنَ آمَنُوْا كُلُوْا مِنْ طَيِّبَاتِ مَا رَزَقْنٰكُمْ﴾ [سورة البقرة الرقم: ۱۷۲]

دنیا کی یہ زندگی نعم الٰہی سے گریز کرکے گذارنا اللہ کو ناپسند ہے، ایک دفعہ کسی مصلحت کے تحت اللہ کے رسول ﷺ نے اپنے لیے شہد کا استعمال حرام کرلیا تھا تو اللہ تعالیٰ نے سرزنش کے انداز میں فرمایا: ﴿يَاأَيُّهَا النَّبِيُّ لِمَ تُحَرِّمُ مَا أَحَلَّ اللّٰهُ لَكَ﴾ [سورة التحريم] اے نبی! جس

چیز کو اللہ نے آپ کے واسطے حلال کیا ہے اس کو کیوں حرام کر رہے ہیں۔ یہ حکم آنے کے بعد آپ ﷺ نے اپنی قسم توڑی اور کفارۂ یمین ادا کیا اور شہد کا پھر سے استعمال کرنے لگے۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم پر زندگی کا دو دور گذرا ہے، ایک ابتدائی دور آزمائش جس میں کسمپرسی، فاقہ کشی غالب تھی اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے اس دور ابتلا میں بھی اپنی زندگی کو اپنے خالق و مالک کی بندگی وفرماں برداری میں گذار کر دوسروں کے لیے مثال قائم کردی، تاریخ وسیرت کی کتابوں میں صحابہ کی اس زندگی کے ہزاروں واقعات درج ہیں کہ بھوک کی شدت سے بے ہوش ہوجاتے تھے، غزوۂ خندق میں پیٹ پر پتھر باندھ کر جہاد کیا، درختوں کی چھالوں اور پتوں کو چبا کر اقتصادی ناکہ بندی کے جاں گسل تین سال صبر واستقامت سے گذارے، ہفتوں ہفتوں ان کے گھروں میں چولہے نہیں جلتے تھے، غزوۂ تبوک میں عسرت وتنگ دستی کا یہ حال تھا کہ خود اللہ تعالیٰ نے غزوۂ عسرت فرمایا، فقر وفاقہ کا یہ دور درحقیقت ان کے ایمان ویقین اور صبر واستقامت کا خدائی امتحان تھا، اس کے بعد جب فتوحات کا دور آیا تو جس شان کی زندگی گذاری ہم تصور بھی نہیں کر سکتے۔ مسجد نبوی میں سونے، چاندی کے انبار لگے ہوتے تھے مگر آخرت کی تیاری میں ایسا مست تھے کہ ان پر نظر بھی نہیں ڈالتے تھے کہ مبادا دنیا کی محبت نہ پیدا ہوجائے، ایک ایک صحابی کے پاس بڑے بڑے پھل دار باغات، کھیتیاں اور وسیع تجارت تھی، ہزاروں غلام کام کرتے تھے، حضرت عثمان رضی اللہ عنہ تو دولت وثروت میں مشہور ہی ہیں، حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کی تجارت اتنی وسیع وکامیاب تھی کہ ایک ہزار سے زیادہ اس میں غلام لگے تھے، حضرت ابوطلحہ انصاری رضی اللہ عنہ کا ایک باغ تھا جس میں چھ سو کھجور کے پھل دار درخت تھے، جس کو محض اس بات پر راہِ خدا میں صدقہ کردیا کہ نماز میں باغ کا تصور تھوڑی دیر کے لیے آگیا اور اللہ کی طرف سے دھیان بٹ گیا تھا اور ان کی دولت کا یہ حال تھا کہ جب وفات پائی تو کئی ٹن سونا ترکہ میں چھوڑا، حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ کی دولت کتنی رہی ہوگی جب کہ چار بیویوں کے حصہ میں ترکہ کا آٹھواں حصہ اسّی اسّی ہزار دینار تھا، اور سونے کے بڑے بڑے لٹھ کو کلہاڑے سے کاٹا گیا تھا، حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ کی خوش حالی کے بارے میں بیان کیا جاتا ہے کہ ان کے پاس کوفہ میں سیکڑوں کمروں کا بڑا سا محل تھا اور مہمانوں کو کھلانے کے لیے روزانہ ایک بکرا ذبح کیا جاتا تھا۔

یہ چند مثالیں اس لیے ہیں کہ پتہ چل جائے کہ اللہ نے دنیا کی نعمت حاصل کرنے اور ان سے مستفید ہونے سے ہرگز نہیں روکا ہے، بلکہ اللہ تعالیٰ نے ناشکری کو ناپسند فرمایا ہے اور کہا ہے: ﴿لَئِنْ شَكَرْتُمْ لَأَزِيدَنَّكُمْ وَلَئِنْ كَفَرْتُمْ إِنَّ عَذَابِي لَشَدِيدٌ﴾ [ابراهيم الرقم: ٧] اگر تم ہمارا شکر ادا کروگے تو اور زیادہ دیں گے اور اگر ناشکری کروگے تو میرا عذاب بہت سخت ہے۔

رسول اللہ ﷺ نے فقر سے پناہ مانگی ہے جو کفر تک پہنچادے، آپ ﷺ دعا کرتے تھے: اَللّٰهُمَّ إِنِّي أَعُوْذُ بِكَ مِنَ الْكُفْرِ وَالْفَقْرِ وَعَذَابِ الْقَبْرِ. [صحيح ابن حبان الرقم: ١٠٢٨] یہاں تک کہ اگر کوئی صحابی اپنا سارا مال راہ خدا میں دینا بھی چاہتا تھا تو منع کرتے تھے اور کہتے تھے کہ اپنی اولاد کو کسمپرسی کی حالت میں چھوڑ کر جانے کے بجائے خوش حال چھوڑ کر جاؤ، حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ بہت مال دار تھے، ایک دفعہ بیمار ہوئے تو سارا مال صدقہ کرنا چاہا تو آپ ﷺ نے فرمایا: ''صرف تہائی مال صدقہ کرو''۔[صحيح البخاري الرقم: ٥٦٦٨]

اس لئے کہ مال زندگی کی ضرورت ہے، ذریعہ معاش ہے، اور فتنہ ایسے مال کو بتایا گیا ہے جو بخل کا باعث ہو اور اللہ کا باغی بنادے، وہ مال جس کا حق ادا کیا جائے اور اللہ کی راہ میں خرچ کیا جائے، وبال نہیں بلکہ رحمت ونعمت ہے اور اللہ کا وہ رزق ہے جس کے بارے میں بتایا ہے کہ متقین وصالحین اس کو اللہ کے لیے خرچ کرتے ہیں، خود بھی کھاتے ہیں اور بندگان خدا کو بھی کھلاتے ہیں۔ ﴿وَمِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُوْنَ﴾ [البقرة الرقم:٣] اور ہم نے جو رزق ان کو دیا ہے اس میں سے خرچ کرتے ہیں۔

زمانۂ حال میں مال وزر کی اہمیت بہت زیادہ بڑھ گئی ہے، وسائل زندگی کی کثرت و بہتات اور مادہ پرستی کے رجحانات نے مال کی ضرورت کا احساس ہر کس وناکس کو کرادیا ہے جو بے تحاشا حصول زر کی جانب دوڑ رہا ہے، حرص وہوس نے ایسا غلبہ جمالیا ہے کہ حلال وحرام کی تمیز بھی ختم ہوتی جارہی ہے، خاص کر مسلمانوں میں یہ وبا عام ہوگئی ہے کہ دولت آئے چاہے جیسے بھی ہو، کیوں کہ مال ہی خوش گوار زندگی کا ضامن بن چکا ہے اور مال داروں کی نقالی اور پیروی میں سب ایک دوسرے پر سبقت لے جانے کی فکر میں ہیں، جس کے نتیجہ میں رشوت خوری، لوٹ مار، قتل وغارت گری، گھپلہ بازی اور فراڈ جیسے نہ جانے کتنے زاویے بن گئے ہیں اور وعدہ خلافی، بدعہدی، کذب بیانی مال وزر کے حصول کا مؤثر اور کامیاب ذریعہ بن گئے

ہیں۔ اللہ کے رسول ﷺ نے مال کی اس ضرورت کو اپنے بلیغ کلام میں فرمایا ہے، وہ پیشین گوئی ہمارے اس عہد پر پوری طرح صادق آرہی ہے: لَيَأْتِيَنَّ عَلَى النَّاسِ زَمَانٌ لَا يَنْفَعُ فِيهِ إِلَّا الدِّينَارُ وَالدِّرْهَمُ. [مشكوة الرقم: ٢٧٨٤] لوگوں پر ایسا زمانہ ضرور آئے گا جس میں دینار ودرہم ہی نفع بخش ہوگا، جب کہ آپ ﷺ نے دنیا کی فراوانی سے خوف کا اظہار فرمایا ہے اور مال کو آزمائش بتایا ہے، بخاری شریف اور مسلم شریف کی حدیث ہے، آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

''خدا کی قسم میں تم پر فقر سے خوف نہیں کھاتا، لیکن مجھے خوف ہے کہ تم پر دنیا پھیلا دی جائے گی (یعنی دنیا پرستی کے وسائل وذرائع تم کو حاصل ہوجائیں گے) جیسا کہ گذشتہ قوموں کو دولت دنیا سے نوازا گیا، تو تم دنیا کے حصول میں تنافس کرنے لگو جیسا کہ ان قوموں نے تنافس کیا، تم کو بھی ان ہی کی طرح دنیا ہلاک کردے جیسا کہ ان قوموں کو ہلاک کردیا''۔

اور ترمذی شریف کی روایت ہے: إِنَّ لِكُلِّ أُمَّةٍ فِتْنَةً وَفِتْنَةُ أُمَّتِي الْمَالُ. ہر امت کا ایک فتنہ ہوتا ہے اور میری امت کا فتنہ مال ہے۔ یہ دونوں حدیثیں ان مسلمانوں کے لیے پیغام عبرت ہیں جو مال کے پیچھے دوڑ رہے ہیں، ہر وقت اسی سوچ میں غرق، اسی کے لیے جوڑ توڑ، دوڑ دھوپ اور دنیا ہی کے لیے جینے مرنے والے لوگ ایسے ہی کاروبایوں، تاجروں، مال داروں کو عقل منداور دور بین جانتے ہیں اور ان کے مال کو حسرت وحسد کی نگاہ سے دیکھتے ہیں۔

جب کہ ایک عاقل انسان وہ ہے جو زندگی کی حقیقت کو سمجھے اور دنیا وآخرت کی زندگی کے فرق کو جانے، ورنہ شمع کی طرح اس کی زندگی بھی وقت کی تپش میں پگھل کر ختم ہوجائے گی اور پھر اس کا افسوس کچھ کام نہیں آئے گا۔

انسان تیری عمر طبیعی ہے کچھ برس
بغاوت میں کر بسر یا اطاعت میں کر بسر

پھر اس طبیعی عمر کو اسلام کے نظام کے تحت کیوں نہ گذارے جس نے مسلمانوں کے لیے حیات طیبہ کی ضمانت لی ہے۔

﴿مَنْ عَمِلَ صَالِحاً مِنْ ذَكَرٍ أَوْ أُنْثَىٰ وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَلَنُحْيِيَنَّهُ حَيَاةً طَيِّبَةً وَلَنَجْزِيَنَّهُمْ أَجْرَهُمْ بِأَحْسَنِ مَا كَانُوا يَعْمَلُونَ﴾[النحل الرقم:٩٧]

جس نے بھی مرد وعورت میں اچھا عمل کیا اور وہ مومن ہے تو ہم اس کو خوش گوار وپاکیزہ زندگی سے نوازیں گے اور ان کے اچھے اعمال کا پورا ثواب دیں گے۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

صبح خیزی کے ثمرات و برکات

مولانا شفیع اللہ اعظمی قاسمی رمقیم حال دوبئ

اللہ تعالیٰ نے کائنات کا جو بھی نظام متعین فرمایا، وہ سب کا سب حق اور درست ہے اور وہ نظام، فطرت انسانی کے عین موافق ہے اور اس نظام کائنات کی اصل اور بنیاد صبح وشام کا آنا جانا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید کے اندر اس کی اہمیت کے پیش نظر قسم بھی اٹھائی: ﴿وَالْفَجْرِ وَلَيَالٍ عَشْرٍ﴾ قسم ہے وقت فجر کی اور دس راتوں کی۔ دوسری جگہ ہے: ﴿وَالصُّبْحِ إِذَا تَنَفَّسَ﴾ اور قسم ہے صبح کی جب وہ اپنے آغاز میں ہو۔ اسلام چونکہ فطری دین ہے؛ اس لیے خداوند قدوس نے اس کے تمام جمالیاتی عنصر کو بخوبی واضح اور متعین فرمادیا، ساتھ ہی ساتھ ایک معتدل نظام زندگی مرتب فرما کر مروج کردیا کہ نظامہائے زندگی کا کوئی بھی گوشہ افراط وتفریط کا شکار نہ ہونے پائے، حاکمانہ اور حکیمانہ انداز میں کچھ یوں جہت زندگی کی تعیین فرمائی کہ ﴿وَجَعَلْنَا نَوْمَكُمْ سُبَاتاً وَّجَعَلْنَا اللَّيْلَ لِبَاساً وَّجَعَلْنَا النَّهَارَ مَعَاشاً﴾ ہم نے تمہاری نیند کو قاطع بنایا اور رات کو لباس، دن کو حصول معاش کا ذریعہ بنایا۔

چونکہ صبح وشام میں خیرات وبرکات کا ایک جہاں پوشیدہ ہے، رات آرام وسکون بخشتی ہے تو صبح کا نور سرور عطا کرتا ہے، انسان نیند سے بیدار ہوکر چستی اور پھرتیلے پن کا احساس کرتا ہے، دل فرحت وشادمانی کی لذت سے مالا مال اور دماغ اپنی پوری توانائی بکھیرنے کے لیے تیار رہتا ہے۔ اور کیوں نہ ہو کہ ہمارے آقا سرمایہ دنیا ودین نے اس میں برکت کی دعا فرمائی ہو اور ترغیب بھی دی ہو۔ سنن اربعہ میں ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا: اَللّٰهُمَّ بَارِكْ لِأُمَّتِي فِي بُكُوْرِهَا. اے اللہ! میری امت کو صبح کے سویرے میں برکت عطا فرما۔ دوسری جگہ ترغیبی انداز میں اختیار فرمایا، جیسا کہ معجم اوسط میں ہے: بُوْرِكَ لِأُمَّتِي فِي بُكُوْرِهَا. میری امت کو اس کی صبح کے سویرے میں برکت دی گئی ہے۔ اور آپ ﷺ خود بھی پوری زندگی اسی پر عمل پیرا رہے۔ ابوداؤد میں ہے کہ حضرت صخر بن وداعہ

فرماتے ہیں کہ آپ جب بھی لشکر بھیجتے تھے تو صبح سویرے بھیجتے۔ خود حضرت صخر بن وداعہ صبح سویرے تجارتی افراد روانہ فرمانے کی وجہ سے بہت زیادہ مال و دولت سے سرفراز ہوئے۔ اسی لیے صبح خیزی کا عمل بہت ہی کارآمد وقت ہے، اللہ تعالیٰ اس میں طلوع فجر سے لے کر طلوع شمس کے مابین رزق کی تقسیم فرماتا ہے، چنانچہ شعب الایمان میں حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے، فرماتی ہیں کہ آپ ﷺ میرے گھر تشریف لائے اور میں سو رہی تھی، آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: يَا بُنَيَّةُ! قُومِي اِشْهَدِي رِزْقَ رَبِّكِ وَلاتَكُونِي مِنَ الْغَافِلِينَ؛ فَإِنَّ اللّٰهَ عَزَّوَجَلَّ يَقْسِمُ أَرْزَاقَ النَّاسِ مَابَيْنَ طُلُوعِ الْفَجْرِ إِلىٰ طُلُوعِ الشَّمْسِ. اے میری بیٹی! اٹھو اپنے رب کے رزق کی تقسیم کے وقت حاضر رہو؛ کیوں کہ اللہ عزوجل طلوع فجر سے لے کر طلوع آفتاب کے مابین لوگوں کی روزی تقسیم فرماتا ہے۔

صبح سویرے کا یہ وقت خداوند قدوس کے نزدیک بہت ہی مطلوب ہے، اللہ کی رحمت اور فرشتوں کی دعا کا ضامن ہے، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ﴿يَا أَيُّهَا الَّذِيْنَ آمَنُوْا اذْكُرُوا اللّٰهَ ذِكْراً كَثِيْراً وَّسَبِّحُوْهُ بُكْرَةً وَّأَصِيْلاً، هُوَ الَّذِيْ يُصَلِّيْ عَلَيْكُمْ وَمَلائِكَتُهُ لِيُخْرِجَكُمْ مِنَ الظُّلُمَاتِ إِلَى النُّوْرِ وَكَانَ بِالْمُؤْمِنِيْنَ رَحِيْماً﴾ اے ایمان والو! اللہ کا ذکر کثرت سے کیا کرو، صبح وشام تسبیح بیان کیا کرو، وہی وہ ذات ہے جو تم پر رحمتیں نازل کرتا ہے اور فرشتے تمہارے لیے دعا کرتے ہیں، تاکہ اللہ تمہیں تاریکیوں سے نور کی طرف نکالے اور وہ مومن پر بہت ہی مہربان ہے۔ کیوں کہ صبح کا وقت ہی فرشتوں کے تبادلے کا وقت ہے، اسی میں بندے کے نامہ اعمال خدا کے حضور پیش کئے جاتے ہیں، قرآن مجید میں واضح طور پر ارشاد فرماتا ہے: ﴿إِنَّ قُرْآنَ الْفَجْرِ كَانَ مَشْهُوْداً﴾ صبح کو قرآن پڑھنے کا وقت فرشتوں کی حاضری کا وقت ہے۔

قرآن نے جزا وسزا کا قانون بیان کیا کہ جیسا عمل ویسا بدلہ، لیکن صرف اس کو نفس جزا سزا تک محدود نہیں رکھا، بلکہ وقت کے اندر بھی مماثلت قائم فرمادیا، قرآن کہتا ہے: ﴿وَلَهُمْ رِزْقُهُمْ فِيْهَا بُكْرَةً وَّعَشِيّاً﴾ جنت میں مومن کو صبح وشام رزق عطا کیا جائے گا۔

ایک مومن کی سب سے بڑی خوش قسمتی کی بات اور کیا ہوسکتی ہے کہ اس کو اللہ تعالیٰ کا دیدار نصیب ہو، لیکن سب سے مزے کی بات یہ ہے کہ دیدار الٰہی بھی ہوگا تو صبح وشام میں ہی ہوگا، گویا اللہ نے اپنے دیدار کا جو وقت خاص رکھا وہ ان ہی لوگوں کے لیے ہے جو صبح وشام دربار خداوندی میں اپنے

سرِ نیاز خم کر دیتے ہیں۔ حضرت جریر بن عبداللہ بجلی رضی اللہ عنہ نے ایک روایت میں فرمایا کہ

كُنَّا عِنْدَ النَّبِيِّ ﷺ فَنَظَرَ إِلَى الْقَمَرِ لَيْلَةَ الْبَدْرِ فَقَالَ: إِنَّكُمْ سَتَرَوْنَ رَبَّكُمْ كَمَا تَرَوْنَ هٰذَا الْقَمَرَ لَاتُضَامُّوْنَ فِيْ رُؤْيَتِهٖ فَإِنِ اسْتَطَعْتُمْ أَنْ لَاتُغْلَبُوْا عَلٰى صَلٰوةٍ قَبْلَ طُلُوْعِ الشَّمْسِ وَقَبْلَ غُرُوْبِهَا فَافْعَلُوْا. [متفق علیہ]

حضرت جریر بن عبداللہ بجلی رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ ایک رات ہم لوگ رسول اللہ ﷺ کے ساتھ تھے اور وہ رات چاندنی رات تھی، آپ نے چاند کی طرف دیکھا کہ تم لوگ عنقریب اپنے رب کا دیدار کروگے تمہیں اس کے دیدار میں کوئی دقت نہیں ہوگی، جیسے یہ چاند، لہذا اگر تم طلوع آفتاب سے پہلے اور غروب آفتاب کے بعد کی نماز ادا کرنے پر قدرت رکھتے ہو تو ضرور ادا کرو۔

آج کے حالات پر نظر کریں تو راتوں کو دیر تک جاگنا، شور شرابہ کرنا، پارٹی کرنا یا پارٹیوں میں جانا، موج مستی کرنا، دوستوں کے ساتھ دیر رات وقت گذاری کرنا، کچھ نہیں تو انٹرنیٹ کے ذریعہ موبائل یا لیپ ٹاپ پر لایعنی امور میں اپنی راتوں کا بیشتر حصہ صرف کرنا ہمارا شیوہ بن چکا ہے، ہمارا نظام زندگی خدا کے عطا کردہ نظام زندگی سے متصادم ہے، قرآن وحدیث کے بیان کردہ قوانین کی ہم خلاف ورزی میں خوش وخرم ہیں، لیکن ذرا دنیا کے ماہرین طب وماہرین نفسیات کی تحقیقات پر نظر ڈالیں تو اندازہ ہوگا کہ وہ بھی خدائی فرمان کے آگے سر تسلیم خم کررہے ہیں، انھیں بھی تشویش ہے کہ ہمارا معاشرہ صبح دیر میں سوکر اٹھنے کی وجہ سے ان فوائد سے محروم ہوا جارہا ہے جو صبح اٹھنے پر حاصل ہوتے۔

ہمارا ذہن دیر میں اٹھنے کی وجہ سے نشیط وچست نہیں رہ پاتا، ہمارا جسم بیماریوں کی آماجگاہ بنتا جارہا ہے، تمام وجہوں میں ایک وجہ یہ بھی ہے کہ ہم دیر سے سوکر اٹھتے ہیں، آج ہمیں تمام سامان عیش ولطف حاصل ہیں، لیکن پھر بھی غم وحزن کی منحوس گھڑیاں ہمارا پیچھا نہیں چھوڑتی ہیں، جسم بھر نیند لینے کے باوجود سکون کی لذت سے محروم ہیں، ماہرین کے مطابق یہ وقت ہمارے جسم کی تعمیر وترقی اور اس کی مرمت کا ہوتا ہے، اس وقت میں ہمیں آکسیجن سے بھرپور تازہ ہوا میسر آتی ہے، جو ہمارے پھیپھڑوں اور دماغی خلیوں کو تازگی بخشتی ہے، ہمارے نفسیاتی نظام کو اعتدال پر رکھتی ہے، صبح سویرے اٹھنے کی برکت سے نظام وڈسپلن کی صلاحیت پیدا ہوتی ہے، قوت مدافعت غالب رہتی ہے، جس سے بڑی بڑی بیماریوں کا شکار نہیں ہو پاتے، وٹامنز، ہارمونز اور نظام انہضام کا اعتدال ہماری کائنات جسم کو سنبھالے رکھتا ہے، صبح خیزی ایک ایسا عمل ہے جس سے ہماری تخلیقی صلاحیت روز بروز بڑھتی رہتی ہے،

(بقیہ ص:۱۳ پر)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

تحریک آزادی میں ''علماء دیوبند'' کا حصہ

ضیاء الحق خیرآبادی، استاذ مدرسہ تحفیظ القرآن، سکھٹی، مبارکپور اعظم گڈھ
E:MAIL:zeyaulhaquekbd@gmail.com

وطن عزیز کی آزادی کو ستر سال ہو رہے ہیں، اس عرصہ میں ملک کی تاریخ کو اس قدر مسخ کر دیا گیا ہے کہ حقیقت کا سراغ لگانا کچھ آسان نہیں۔ آزادی کے بعد ہی سے ایک گروہ مسلسل سرگرم عمل ہے کہ تحریک آزادی میں مسلمانوں کی نمایاں قربانیوں، سرفروشیوں اور سرگرمیوں کو تاریخ کے صفحات سے کھرچ کر مٹا دیا جائے، اور اس میں وہ بہت حد تک کامیاب بھی ہے، اسی کا نتیجہ ہے کہ آج ہم مولانا ابوالکلام آزاد سے تو کسی قدر واقف ہیں، اور نام کی حد تک مولانا محمد علی جوہر، خان عبدالغفار خاں اور رفیع احمد قدوائی سے بھی واقفیت ہو سکتی ہے، لیکن ان کے علاوہ تحریک آزادی کے دوسرے مجاہدین ورہنماؤں کے نام سے بھی واقف نہیں ہیں، چہ جائیکہ ان کے کارنامے ہمارے سامنے ہوں۔ اگر آج ہم سے مولانا حسرت موہانی (جنھوں نے سب سے پہلے مکمل آزادی کی تجویز پیش کی تھی) مفتی کفایت اللہ صاحب، مولانا عبید اللہ سندھی، مولانا احمد سعید دہلوی، مولانا داؤد غزنوی، مولانا حبیب الرحمٰن لدھیانوی، چودھری افضل حق، سید عطاء اللہ شاہ بخاری وغیرہ کے بارے میں پوچھا جائے تو چند مخصوص لوگ ہوں گے جو ان سے واقفیت رکھتے ہوں گے، جبکہ ان سے ہر ایک نے وطن عزیز کی آزادی کے لئے سالہا سال جیلوں میں گزار دیئے اور ہر طرح کی صعوبتیں اور مشقتیں برداشت کیں مولانا عبید اللہ سندھی نے تو محض ملک کی آزادی کیلئے چوبیس سال جلاوطنی کی زندگی گزار دی۔

یہ بات ہمارے لئے کس قدر افسوسناک بلکہ شرمناک ہے کہ ہم اپنے ان مخلص رہنماؤں اور قائدین کو بھول بیٹھے جو اسلام اور مسلمانوں کی سربلندی کے لئے انگریز جیسی ظالم وجابر حکومت سے ٹکرا

گئے، جس کے حدودِ سلطنت میں کبھی سورج غروب نہیں ہوتا تھا، اور اسے ملک بدر کر کے ہی دم لیا۔ ہماری ان حضرات سے ناواقفیت اور برادرانِ وطن کی بدترین عصبیت، یہ تاریخ ہند کا بہت بڑا المیہ ہے اور ہمارے لئے ایک عظیم لمحۂ فکریہ! اگر ہماری غفلت اور خود فراموشی کا یہی حال رہا تو ہماری اگلی نسلیں یہی سمجھیں گی ملک کی آزادی اور تعمیر وترقی میں ہمارا کوئی حصہ نہیں ہے اور وہ خود بخود اپنے آپ کو تیسرے درجہ کا شہری سمجھنے لگیں گی، اور اسلام دشمن تحریکوں کا مقصد بھی یہی ہے، اور یہ ایک حقیقت ہے کہ جو قوم اپنے ماضی سے کٹ جاتی ہے بحیثیت قوم اس کا وجود صفحۂ ہستی سے مٹ جاتا ہے۔

اس پس منظر کو سامنے رکھ کر اس مضمون کا مطالعہ کیا جائے، اس میں صرف علماء دیوبند کی خدمات اور قربانیوں کا سرسری جائزہ لیا گیا ہے، اسی کو سامنے رکھ کر اس کا دائرہ اور بڑھایا جاسکتا ہے۔

سولہویں صدی عیسوی میں انگریزوں نے ہندوستان آنا شروع کیا اور جہانگیر کے عہد حکومت میں ۱۶۱۳ء میں سورت (گجرات) میں تجارتی مرکز قائم کرنے کی اجازت حاصل کر لی، یہ مرکز ایسٹ انڈیا کمپنی نے قائم کیا، جس کا ہیڈ کوارٹر لندن میں تھا، کمپنی نے رفتہ رفتہ مکر وفریب اور شاطرانہ وعیارانہ چالوں سے وہاں حکومت قائم کر لی اور اس کا دائرۂ کار اور اثر ورسوخ بڑھتا ہی رہا۔ ۱۷۵۷ء میں نواب سراج الدولہ نے پلاسی کی لڑائی میں انگریزوں سے جم کر مقابلہ کیا مگر اس کے وزیر میر جعفر نے غداری کی، جس کی وجہ سے نواب کو شکست ہوئی۔ اس کے بعد میسور میں حیدر علی اور اس کے شیر دل فرزند ٹیپو سلطان نے انگریزوں کا زور توڑنے کی بے انتہا کوشش کی، مگر وہ اس سیلاب پر بند نہ لگا سکے، ٹیپو سلطان انگریزوں سے لڑتے ہوئے ۴ رمئی ۱۷۹۹ء کو شہید ہو گئے، سلطان کی شہادت کے بعد انگریزوں کا مقابلہ کرنے والا کوئی قابل ذکر حکمراں باقی نہ رہا، ملک کے بیشتر حصوں پر انگریزوں کا قبضہ ہو گیا۔ ادھر دہلی میں اورنگ زیب کی آنکھیں بند ہوتے ہی مغلیہ سلطنت کی بنیادیں ہل گئیں، اس کے جانشین حد درجہ نااہل ثابت ہوئے، ۱۸۰۳ء میں انگریزوں نے دہلی کو فتح کر لیا، مغلیہ حکومت سمٹ کر لال قلعہ تک محدود ہو کر رہ گئی، اور بادشاہ کی حیثیت ایک وظیفہ خوار کی سی ہو کر رہ گئی۔ یہی وہ دور تھا جب شاہ ولی اللہ محدث دہلوی کے نامور فرزند شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی نے ہندوستان کے دارالحرب ہونے کا فتویٰ دیا، شاہ صاحب کے بھتیجے مولانا اسمٰعیل شہید اور ان کے داماد مولانا عبدالحی صاحب نے اپنے شیخ ومرشد حضرت سیّد احمد شہیدؒ کی معیت وسرپرستی میں مسلح جدوجہد کا آغاز کیا، مگر یہ حضرات کامیاب نہ ہو سکے، ان کی شہادت کے بعد انگریزوں کا تسلط واقتدار بڑھتا ہی چلا گیا، یہاں تک کہ ۱۸۵۷ء کی وہ

تاریخی جنگ ہوئی جس میں شکست نے انگریزوں کے پیر یہاں مکمل طور پر جما دیئے۔

اکابر علماء دیوبند نے اس جنگ میں اپنے پیرومرشد سیّد الطائفہ حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکی کی قیادت میں بھرپور حصہ لیا۔ پہلے حضرت حاجی صاحب اور ان کے رفقائے کرام کا جہاد وحریت کے سلسلہ میں تبادلۂ خیال ہوا، مولانا شیخ محمد تھانوی نے بے سروسامانی کا ذکر فرما کر جہاد وحریت کی مخالفت کی، تو حضرت مولانا قاسم نانوتویؒ نے جذبۂ جہاد سے سرشار ہوکر فرمایا کہ ''کیا ہم اصحابِ بدر سے بھی زیادہ بے سروسامان ہیں'' یہ سن کر حضرت حاجی صاحب نے فرمایا کہ الحمد اللہ انشراح ہوگیا، اور جہاد کی تیاری شروع کردی۔ حضرت حاجی صاحب امیر المومنین، مولانا نانوتوی سپہ سالار اور حضرت گنگوہی قاضی مقرر ہوئے، اسی طرح قصبہ تھانہ بھون دارالاسلام قرار پایا۔

اس جنگ میں علمائے دیوبند نے بنفس نفیس شرکت کی اور شاملی کے میدان میں جم کر انگریزوں کا مقابلہ کیا اور تحصیل فتح کرلی، مگر حضرت حافظ ضامن شہید صاحب کی شہادت کے بعد پانسہ پلٹ گیا، ادھر انگریزوں کے لئے کمک بھی آگئی، چنانچہ انگریزوں نے تحصیل پر دوبارہ قبضہ کرلیا، پھر تھانہ بھون کا رخ کیا اور اس کی اینٹ سے اینٹ بجادی، اس تحریک کی ناکامی کے بعد جب انگریز پوری طرح غالب آگئے تو انھوں نے وحشت وبربریت کا ننگا ناچ ناچا کہ سن کر رونگٹے کھڑے ہوجاتے ہیں، صرف دہلی شہر میں ہزاروں علماء کو پھانسی دی گئی، دہلی سے پشاور تک درختوں کا ایک سلسلہ تھا جس پر پھانسی کے پھندے لگے ہوئے تھے، زندہ علماء کو سوروں کی کھال میں بند کرکے جلتے ہوئے تنور میں ڈال دیا گیا، غرض ایسے ایسے مظالم علماء کرام پر کئے گئے کہ خود ظلم وبربریت کو پسینہ آگیا۔

اس تحریک کی ناکامی کے بعد ہندوستان میں اسلامی سلطنت کا چراغ مکمل طور پر گل ہوگیا، لیکن مایوسی کی اس ظلمت وتاریکی میں بھی قوم کے باہمت افراد نے ہمت نہیں ہاری۔ ''زندہ قومیں جب زوال سے دوچار ہوتی ہیں تو وہ آسانی سے زمانہ کے سامنے ہتھیار نہیں ڈالا کرتیں، اس کشمکش میں اکثر ان میں غیر معمولی فکر ونظر اور ہمت وارادے والے افراد پیدا ہوجاتے ہیں، جو جان توڑ کوشش کرتے ہیں کہ زوال کی روک تھام کریں اور قوم کی تقدیر بدل دیں۔ حضرت مولانا قاسم نانوتویؒ انھیں غیر معمولی فکر ونظر والے افراد میں سے تھے، جو ایک محاذ پر شکست کھا کر مایوس نہیں بیٹھے بلکہ انھوں نے ایک دوسرے محاذ پر جنگ چھیڑ دی اور اپنی شکست کو فتح سے ہمکنار کردیا۔ چنانچہ ۱۸۵۷ء کے جہاد میں ناکامی کے بعد مولانا محمد قاسم نانوتوی اور مولانا رشید احمد گنگوہی کے مشورے سے ہی شاہ ولی اللہ کے

علمی ورثہ کو لے کر دارالعلوم دیوبند قائم کیا گیا، دارالعلوم دیوبند کن مقاصد کے تحت قائم کیا گیا؟ کیا اس کا مقصد صرف درس وتدریس اور تعلیم وتعلم تھا، اس کے متعلق دارالعلوم ہی کے اولین طالب علم حضرت شیخ الہند مولانا محمود حسن دیوبندیؒ کی زبانی سنئے:

کیا حضرت الاستاذ (مولانا نانوتویؒ) نے اس مدرسہ کو درس وتدریس، تعلیم وتعلم کیلئے قائم کیا تھا؟ مدرسہ میرے سامنے قائم ہوا، جہاں تک میں جانتا ہوں ۱۸۵۷ء کے ہنگامے کی ناکامی کے بعد یہ ارادہ کیا گیا کہ کوئی ایسا مرکز قائم کیا جائے جس کے زیر اثر لوگوں کو تیار کیا جائے، تاکہ ۱۸۵۷ء کی ناکامی کی تلافی کی جائے۔

(احاطہ دارالعلوم میں بیتے ہوئے دن، ص:۱۷/سوانح قاسمی ج:۲،ص:۲۲۶)

مولانا حامد الانصاری غازی نے صد سالہ یادگار کے ص:۳۶ پر یہ بات نقل کی ہے:

مولانا محمد قاسم صاحب کا قول تھا کہ دیوبند آزادی کی چھاونی ہے جس پر تعلیم کا پردہ ڈال دیا گیا ہے، مولانا کہتے ہیں کہ ہمارے جسم غلام سہی، مگر ہماری روح آزاد رہنی چاہئے۔

اسی طرح حکیم الاسلام مولانا قاری محمد طیب صاحب فرماتے ہیں:

حضرت والا (مولانا نانوتویؒ) نے ۱۸۵۷ء کی شکست کے بعد محسوس کیا کہ اب تلوار کے مقابلہ کا وقت نہیں رہا، تو آپ لوہے کی تلوار میان میں کر لیتے اور تعلیمی لائن کے ہتھیار میان سے باہر نکال کر میدان میں آجاتے ہیں، گویا شاملی کا جہاد ابھی ختم نہیں ہوا، صرف رخ بدلا ہے۔

(آزاد ہند کا خاموش رہنما، ص:۷)

ان اقتباسات سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ دارالعلوم ایک مکتب فکر سے زیادہ ایک تحریک ہے، دارالعلوم کے فضلاء نے اپنی تمام تر طاقت صرف کر کے، بے پناہ جانی ومالی قربانیاں دے کر انگریزی حکومت سے پنجہ آزمائی کی اور اسے ہندوستان سے نکل جانے پر مجبور کر دیا۔ ۱۲۹۷ء میں مربی دارالعلوم حضرت نانوتویؒ کا انتقال ہوا۔ ان کے بعد مولانا رشید احمد گنگوہیؒ مدرسہ کے سرپرست بنے، آپ کے دور سرپرستی میں مدرسہ کا دائرۂ کار وسیع ہوا، ۱۳۲۳ھ (۱۹۰۵ء) میں آپ کی وفات پر مدرسہ کا پہلا دور ختم ہو گیا۔

حجۃ الاسلام حضرت نانوتویؒ کے معتمد شاگرد اور دارالعلوم کے اولین طالب علم حضرت شیخ الہند کی صدارت میں مدرسہ کا دوسرا دور شروع ہوا۔ آپ ۱۸۵۷ء کے انقلاب کی روداد اپنے استاذ

حضرت نانوتویؒ سے سنتے رہتے تھے، آپ نے مسلمانوں کی تباہی و بربادی اور انگریزوں کی درندگی وبہیمیت کا بچشم خود مشاہدہ کیا تھا، اس لئے انگریزوں کے تئیں آپ کے جذبۂ نفرت وعداوت کا اندازہ لگانا کچھ دشوار نہیں، اس کا اندازہ یوپی کے گورنر سر جیمس اسپنٹس کی اس تحریر سے لگایا جاسکتا ہے:

''اگر اس شخص کو جلا کر راکھ کر دیا جائے تو وہ خاک بھی اس کوچہ سے نہیں اڑے گی جس میں کوئی انگریز ہوگا۔'' (سوانح قاسمی، ج:۲،ص:۸۴حاشیہ)

''اگر اس شخص کی بوٹی بوٹی کر دی جائے تو ہر بوٹی سے انگریزوں کے خلاف عداوت ٹپکے گی''

حضرت شیخ الہندؒ نے سب سے پہلا کام یہ کیا کہ جمعیۃ الانصار کے نام سے ایک تنظیم قائم کی اور قدیم فضلاء دیوبند کو اس میں جمع کرنا شروع کیا، اس طرح دیوبندی نظام کے تعلیم یافتہ حضرات کی ساری قوت ایک حد تک منظّم ہوگئی۔ اس کے بعد آپ نے وہ عظیم تحریک شروع کی جو تاریخ میں ''ریشمی رومال'' کے نام سے مشہور ہے۔ اس کی بنیاد اس تخیل پر رکھی کہ سرحدی پٹھانوں، کابل کی حکومت اور ترکی خلافت کی امداد سے ہندوستان کو برطانوی اقتدار سے نجات دلائی جائے اور ملک کے اندر جگہ جگہ بغاوت کر کے اس کے قدم اکھاڑ دیئے جائیں۔

اس اسکیم کی تکمیل کے لئے مولانا عبیداللہ سندھی، مولانا برکت اللہ بھوپالی، راجہ مہندر پرتاپ جیسے لوگوں کو مختلف ممالک میں بھیجا اور اندرون ملک اہم مقامات پر اسلحے اور اشخاص تیار فرمائے، اسی وقت مولانا ابوالکلام نے ''الہلال'' کے ذریعہ اپنی چونکا دینے والی صدائے حق سے قوم کے ایک بڑے طبقے کو جو اپنے اپنے حلقہ میں خوابِ ناز میں مست تھا، یکا یک بیدار کر دیا، یہ آوازۂ حق جدید دانشگاہوں اور قدیم مدرسوں وخانقاہوں میں یکساں طور پر سنا گیا، اس انقلابی آواز نے پورے ملک میں آگ لگادی، اور حکیم اجمل خاں، خان عبدالغفار خاں، ڈاکٹر مختار احمد انصاری ایسے حضرات بجان ودل حضرت شیخ الہند کے ساتھ تھے، بلکہ ڈاکٹر انصاری تو باقاعدہ حضرت سے بیعت تھے، پھر حضرت شیخ الہند نے دیوبند سے مدینہ منورہ کا سفر کیا اور وہاں خلافت ترکیہ کے ذمہ داران کو تیار کیا، یہی پہلی عالمی جنگ کا زمانہ تھا، ادھر کابل میں مولانا سندھی راہ ہموار کر رہے تھے، اس تحریک کی طاقتور ترین شخصیت مولانا سندھی کی تھی، اس میں وہ اس قدر دخیل تھے کہ انگریزوں کی تحقیقاتی کمیٹی ''رولٹ ایکٹ'' نے انھیں کو تحریک کا بانی قرار دیا۔ مولانا نے کابل میں ایک عارضی حکومت قائم کی جس میں ترک اور جرمن بھی شامل تھے، راجہ مہندر پرتاپ صدر، مولانا برکت اللہ بھوپالی وزیر اعظم اور مولانا

سندھی وزیر داخلہ مقرر ہوئے ،مولانا سندھی نے اپنی تحریر کا نقشہ ریشمی رومال پر بنا کر نقشۂ جنگ سے آگاہ کرنا چاہا تھا کہ وہ ریشمی رومال پکڑ لئے گئے اور پوری تحریک طشت از بام ہوگئی۔حضرت شیخ الہند مدینہ سے گرفتار کر کے مالٹا میں قید کر دیئے گئے ،اسی وقت شیخ الاسلام مولانا حسین احمد مدنی علیہ الرحمہ نے گرفتاری کا وارنٹ نہ ہونے کے باوجود استاذ محترم کی خدمت کے لئے اپنے آپ کو گرفتاری کیلئے پیش کر دیا۔ پورے ملک میں انگریزوں نے تحریک کے کارکنوں کی گرفتاریاں شروع کر دیں اور تحریک کی کمر توڑ کر رکھ دی،اس کے باوجود اس نے ہندوستان کی غلامی کے خلاف پورے برصغیر ہی میں نہیں بلکہ تمام ممالک اسلامیہ میں بیداری کی ایک لہر دوڑا دی ،اور مجاہدین کی ایک بے مثال جماعت پیدا کر دی۔اس تحریک میں حضرت شیخ الہند کے ہمراہ جن علمائے دیوبند نے نمایاں طور پر حصہ لیا ان میں مولانا سندھی ومولانا مدنی کا ذکر تو گزر چکا،ان کے علاوہ مولانا عزیر گل پشاوری،مولانا محمد میاں منصور انصاری،مولانا سہول بھاگلپوری،مولانا شبیر احمد عثمانی،مولانا فضل ربی وغیرہ تھے،یہ تحریک اگر چہ بعض اسباب وعوامل کی وجہ سے ناکام ہوگئی مگر اس سے حضرت شیخ کے تدبر اور سیاسی بصیرت کا پتہ چلتا ہے۔

اس مقام پر جمعیۃ علماء ہند کا تذکرہ ضروری ہے جو درحقیقت جمعیۃ علماء دیوبند ہی تھی ،اس لئے کہ اس میں اکثریت علماء دیوبند کی ہی تھی ۱۹۱۹ء میں مفتی کفایت اللہ،مولانا ثناء اللہ امرتسری (مولانا موصوف کا شمار اکابرین علماء اہلحدیث میں ہوتا ہے،آپ دارالعلوم دیوبند کے فاضل تھے) مولانا ابوالمحاسن محمد سجاد جیسے اساطین نے اس کی بنیاد رکھی۔اس کا پہلا اجلاس ۲۸ر دسمبر ۱۹۱۹ء کو امرتسر میں زیر صدارت مولانا عبدالباری فرنگی محلی منعقد ہوا۔اسی دوران مارچ ۱۹۲۰ء میں حضرت شیخ الہند مالٹا سے رہا ہو کر ہندوستان پہونچے ، یہاں آتے ہی آپ نے اپنے معتمد تلامذہ ورفقاء کو لے کر ایک نئی سیاسی جدوجہد کا آغاز کیا،خلافت کمیٹی کے لئے ترک موالات والے فتوے کو مولانا ابوالمحاسن سجاد نے جمعیۃ کے متفقہ فیصلے کی حیثیت سے پانچ سو علماء کی دستخط کے ساتھ پیش کیا۔ یہاں اس حقیقت سے انکار نہیں کیا جاسکتا ہے کہ خلافت کمیٹی کی سیاسی کامیابی ترک موالات کے ریزولیشن سے شروع ہوئی ،اور خلافت کمیٹی تحریک شیخ الہند کی کوکھ سے پیدا ہوئی ،اور خلافت تحریک سے انڈین نیشنل کانگریس کے تن مردہ میں جان آئی۔

ترک موالات کی تجویز ایسی خطرناک تجویز تھی جس سے حکومت لرز اٹھی۔اس کا مطلب یہ تھا کہ ہر کام میں حکومت سے عدم تعاون کیا جائے۔اس کے خاص اجزاء چار بائیکاٹ تھے۔(۱) سرکاری

سندوں اور خطابات کو چھوڑ دینا۔ (۲) سرکاری تعلیمی اداروں سے ہر طرح کا قطع تعلق۔ (۳) نہ کونسل میں جانا اور نہ اس سے کسی طرح کا فائدہ اٹھانا۔ (۴) سرکاری عدالتوں سے قطع تعلق۔

اسی زمانہ میں مسلم یونیورسٹی کا طلبہ نے بائیکاٹ کیا اور دوسری مسلم یونیورسٹی قائم کرنی چاہی، حضرت شیخ الہند اپنی تمام تر علالت اور ضعف وناتوانی کے باوجود صدارت کے لئے علی گڈھ تشریف لے گئے اور یونیورسٹی کی بنیاد رکھی، جو بعد میں دہلی منتقل ہوکر ''جامعہ ملیہ'' کے نام سے مشہور ہوئی۔ اسارتِ مالٹا سے واپسی کے بعد ہی سے مختلف امراض وعوارض نے آپ کو گھیر رکھا تھا، اس سفر کے بعد مرض بڑھتا گیا یہاں تک کہ ۳۰ رنومبر ۱۹۲۰ء کو تحریک ولی اللہی کے اس عظیم قائد ورہنما نے جان جاں آفریں کے سپرد کردی۔ رحمہ اللہ رحمۃً واسعۃً

حضرت شیخ الہند کی وفات کے بعد کاروانِ آزادی کی قیادت شیخ الہند کے عزیز ترین تلمیذ حضرت شیخ الاسلام مولانا حسین احمد مدنی علیہ الرحمہ کے ہاتھوں میں آئی۔ آپ کی پوری زندگی جہد مسلسل اور مجاہدہ وعزیمت سے عبارت تھی۔ ۱۹۱۴ء سے آپ کا سیاسی سفر شروع ہوا، جمعیۃ علماء ہند جو اپنے قیام کے روزِ اول سے انگریزوں کے خلاف سرگرم ہوگئی تھی، اسی کے پلیٹ فارم سے آپ نے سیاسی جدوجہد کا آغاز فرمایا۔ مالٹا سے واپسی کے کچھ ہی عرصہ بعد کراچی کا وہ تاریخی مقدمہ پیش آیا جس میں آپ کو دوسال کی قید بامشقت سنائی گئی۔ آپ نے خلافت کانفرنس میں یہ تجویز پیش کی تھی کہ گورنمنٹ برطانیہ کی فوج میں خدمت کرنا یا کسی کو بھرتی کرانا یا کسی قسم کی اعانت کرنا حرام ہے۔ یہ تجویز پاس ہوکر کتابی شکل میں شائع ہوگئی، اس پر آپ کو گرفتار کرکے کراچی کے خالق دینا ہال میں مقدمہ کے لئے پیش کیا گیا، آپ نے اس میں جو تاریخی بیان دیا وہ ہندوستان کی علمی، ادبی اور سیاسی تاریخ میں مولانا آزاد کے ''قول فیصل'' کی طرح ایک عظیم مقام رکھتا ہے، مگر اس مختصر مقالے میں اس کی گنجائش نہیں ہے کہ اسے پیش کیا جائے، جسے دیکھنا ہو حافظ عبدالرشید کی معرکۃ الآرا کتاب ''بیس بڑے مسلمان'' ص: ۴۴۸ تا ۴۸۰ کا مطالعہ کرے، (یہ کتاب علماء دیوبند کے احوال وسوانح کے متعلق ایک قیمتی دستاویز ہے، جو بڑی سائز کے ایک ہزار سے زائد صفحات پر مشتمل ہے اور مکتبہ رشیدیہ لاہور سے شائع ہوئی ہے۔) ۱۹۲۳ء میں آپ قید سے رہا ہوئے اور دسمبر ۱۹۲۳ء کے جمعیۃ علماء ہند کے کوکناڈا اجلاس کی صدارت کرتے ہوئے ہندوستان بلکہ پورے ایشیا کی مکمل آزادی کا مطالبہ کیا، کانگریس نے مکمل آزادی کا مطالبہ اس کے چھ سال بعد ۱۹۲۹ء میں اپنے لاہور کے اجلاس میں کیا جبکہ حضرت مدنی

نے کمال جرأت کا مظاہرہ کرتے ہوئے یہ مطالبہ چھ سال پہلے ہی کر دیا تھا، یہ الگ بات ہے کہ آج جب سیاسی تاریخ لکھی جاتی ہے تو بڑے شدومد سے یہ لکھا جاتا ہے کہ کانگریس نے ۱۹۲۹ء میں مکمل آزادی کی قرارداد پیش کی اور مکمل آزادی کو اپنا نصب العین قرار دیا۔ (بیس بڑے مسلمان، ص:۴۸۳)

اس کے بعد جمعیۃ علماء کے اکابرین مفتی کفایت اللہ، مولانا احمد سعید دہلوی، مولانا حفظ الرحمٰن سیوہاروی، مولانا ابوالکلام آزاد، شیخ الاسلام مولانا حسین احمد مدنی وغیرہ نے مارچ ۱۹۲۶ء کے جمعیۃ کے اجلاس کلکتہ میں کامل آزادی کا رزولیوشن پاس کیا۔ ۱۹۳۰ء میں جمعیۃ کا سالانہ اجلاس قصبہ امروہہ میں ہوا، اسی میں مجاہد ملت مولانا حفظ الرحمٰن سیوہاروی نے تحریک آزادی میں شرکت اور کانگریس سے تعاون کی تجویز پیش کی اور انگریزوں کی اس کوشش کو ناکام بنادیا کہ جمعیۃ آزادی کی جنگ میں کانگریس کا ساتھ نہ دے، چنانچہ اس کا شکریہ پنڈت موتی لال نہرو نے ادا کیا۔ جمعیۃ کے اس فیصلے سے ۱۴/ ہزار مسلمان جیل گئے اور پشاور قصہ خوانی بازار میں سیکڑوں نوجوانوں نے انگریزوں کی گولیوں سے جام شہادت نوش کیا۔ ۱۹۳۲ء میں جب سول نافرمانی تحریک شروع ہوئی جمعیۃ کے یہ اکابرین اس میں پیش پیش تھے، جمعیۃ نے اپنا جماعتی نظام تحلیل کر کے صدر وسکریٹری کی جگہ ایک ڈکٹیٹر منتخب کیا، اس طرح تقریباً دس ڈکٹیٹر منتخب کئے گئے، جب ایک گرفتار ہوجاتا تو فوراً دوسرا اس کی جگہ لے لیتا۔ اس میں حضرت مدنی، مفتی کفایت اللہ صاحب، مولانا سیّد محمد میاں وغیرہ یکے بعد دیگرے گرفتار ہوئے۔ جمعیۃ نے اس مرکز کا نام ''ادارۂ حربیہ'' رکھا، یہیں سے رضا کاروں کے جتھے جاتے اور سول نافرمانی کر کے گرفتار ہوتے تھے، ان کے کمانڈر مولانا حفظ الرحمٰن سیوہاروی اور کمانڈر ان چیف مولانا ابوالمحاسن سجاد تھے۔ ۱۹۳۹ء میں جمعیۃ علماء ہند نے متفقہ طور پر فوج بھرتی کی مخالفت کی اس موقع پر مولانا سید محمد میاں کی تصنیف ''علماء ہند کا شاندار ماضی'' کو ضبط کیا گیا۔ ۱۹۴۲ء میں ہندوستان چھوڑو تحریک شروع ہوئی، جس میں اکابرین دیوبند نے بھرپور حصہ لیا اور اس کا حق ادا کر دیا، اس میں نمایاں علمائے کرام پسِ دیوارِ زنداں پہونچادئے گئے، جن میں چند ایک نام یہ ہیں: شیخ الاسلام مولانا حسین احمد مدنی، مفتی کفایت اللہ، مولانا سید محمد میاں، مولانا احمد سعید دہلوی وغیرہ

حضرت مدنی کی طرح علماء دیوبند میں جن لوگوں نے ہندوستان کی سیاسی فضا پر اپنے گہرے اور انمٹ نقوش چھوڑے ہیں ان میں مفتی کفایت اللہ صاحب اور مولانا حفظ الرحمٰن سیوہاروی کی ذات خاص طور پر قابل ذکر ہے، حضرت مفتی صاحب کی علمی حیثیت ان کی سیاست پر غالب تھی،

اس وجہ سے آپ کی سیاسی حیثیت جس قدر نمایاں ہونی چاہئے نہیں ہوسکی، آپ کا سب سے نمایاں وصف آپ کی غیر معمولی سیاسی بصیرت اور فہم وتدبر ہے۔ حضرت شیخ الہندؒ اہم ترین سیاسی معاملات میں آپ سے رائے لیتے تھے، ایک بار حضرت شیخ الہند نے اپنے رفقاء سے فرمایا کہ بے شک تم لوگ سیاستداں ہو مگر مولوی کفایت اللہ کا دماغ سیاست ساز ہے۔ آپ کی سیاسی فہم وبصیرت اس قدر مسلّم تھی کہ گاندھی جیسا انسان جب کانگریس ورکنگ کمیٹی میں کسی مسئلہ میں الجھتا تو پھر حضرت مفتی صاحب کی خدمت میں پہونچتا اور آپ کا ناخن گرہ کشا ان الجھی ہوئی گتھیوں کو سلجھاتا، کانگریس اور جمعیۃ علماء ہند کی اکثر تجاویز آپ ہی کے قلم سے ہوتی تھیں۔

دوسری شخصیت جس نے استخلاصِ وطن اور مسلمانوں کی فلاح وبہبود کے لئے اپنا سب کچھ تج دیا وہ مولانا حفظ الرحمٰن کی ذات ستودہ صفات تھی، آپ نے اس راہ میں کیا کچھ قربانیاں پیش کیں اور کتنے مصائب وشدائد اس راہ میں برداشت کئے، اس کا اندازہ اس واقعہ سے لگایا جاسکتا ہے کہ حضرت مولانا شاہ عبدالقادر رائے پوری خلیفہ وجانشیں حضرت مولانا شاہ عبدالرحیم صاحب رائے پوری نے ایک مجلس میں فرمایا کہ: ''تقسیم ہند کے وقت فسادات کے زمانہ میں دہلی کے اندر مسلمانوں کو بچانے کے سلسلہ میں مولانا حفظ الرحمٰن صاحب نے جو خدمات انجام دی ہیں، میں اس کی ایک رات کے بدلے پوری عمر کے اذکار واشغال نثار کرنے کو تیار ہوں۔''

یہ تو تحریک آزادی کا ایک پہلو ہے۔ اس کا ایک دوسرا پہلو یہ ہے کہ انگریزوں نے بالاکوٹ اور شاملی کے تجربات سے یہ سمجھ لیا تھا کہ جب تک مسلمانوں میں جذبۂ جہاد اور اتحاد واتفاق باقی ہے، انھیں زیر نہیں کیا جاسکتا، چنانچہ اس کے لئے دو محاذ کھولے گئے، ایک جہاد کے خلاف، دوسرا مجاہدین کے خلاف۔ جہاد کے لئے مرزا غلام احمد قادیانی کو نبی بنا کر لایا گیا، اس نے آتے ہی جہاد کی منسوخی کا اعلان کیا، اس کے سدباب کے لئے علماء دیوبند کی ایک جماعت علامہ انور شاہ کشمیری کی قیادت میں اٹھ کھڑی ہوئی، جس نے اس فتنہ کے آگے بند لگادیا۔ ان میں نمایاں خدمات سیّد عطاء اللہ شاہ بخاری ومجلس احرار اسلام، مولانا ثناء اللہ امرتسری، مفتی محمد شفیع صاحب، مولانا بدر عالم میرٹھی اور مولانا محمد ادریس صاحب کاندھلوی کی ہیں۔ دوسری طرف ایک صاحب عشق رسول کا حسین عنوان لے کر نمودار ہوئے، اور ان پاک طینت مجاہدین کے خلاف تکفیر کی بوچھار کردی، اور شاہ اسمٰعیل شہید سے لے کر حضرت شیخ الہند تک سب کو کافر بناڈالا، اس کی روک تھام کے لئے مولانا خلیل احمد سہارنپوری، مولانا

سید حسین احمد مدنی، مولانا مرتضی حسن چاندپوری، مولانا ابوالوفا شاہ جہاں پوری اور مولانا محمد منظور نعمانی جیسے حضرات میدان میں آئے اور نمایاں خدمات انجام دیں۔

غرض علماء کی ان جانفشانیوں کے سامنے انگریز ٹھہر نہ سکے اور انھیں ہندوستان چھوڑنا ہی پڑا اور ۱۹۴۷ء میں اگست کی پندرہ تاریخ کو ہندوستان آزاد ہوگیا، اور یہ رمضان المبارک ۱۳۶۶ھ کی ستائیسویں تاریخ تھی۔ لیکن اس آزادی کا سب سے المناک پہلو ملک کی تقسیم تھی، اگرچہ یہ تقسیم مسلمانوں کے حق میں سخت مضر تھی مگر جو واقعہ حقیقت بن چکا ہو، اس سے صرفِ نظر ممکن نہیں، اس لئے اس کا مختصر تذکرہ بھی ضروری ہے۔

جب کاروانِ آزادی منزل کے بالکل قریب پہونچ گیا تو کچھ کٹر پنتھی اسلام دشمن طاقتوں کے ناپاک ارادوں کو بھانپ کر مسلم لیگ نے ایک علیٰحدہ مسلم ریاست کا مطالبہ کیا، اس مطالبہ کو عوام کی ایک بڑی جماعت تک علماء دیوبند ہی نے پہونچایا۔ اگر مولانا شبیر احمد عثمانی، مولانا ظفر احمد عثمانی اور مفتی محمد شفیع صاحب وغیرہ نے اتنی سرگرمی اور پرجوش طریقہ پر اس تحریک کی حمایت نہ کی ہوتی تو مسٹر جناح کا یہ خواب اتنی آسانی سے شرمندۂ تعبیر نہ ہوتا۔

یہ ہے ''علماء دیوبند کے تحریک آزادی میں کردار'' کا ایک نہایت سرسری جائزہ! اور یہ مختصر سا مقالہ اس سے زیادہ ضخامت کا متحمل بھی نہیں ہے۔ خلاصۂ تحریر یہ ہے کہ انگریزوں نے منصوبہ اور پلان بنایا تھا کہ ہندوستان کو دوسرا اندلس بنا دیا جائے، یہ اللہ کا فضل وکرم اور ان بوریہ نشین علماء کرام کی محنتوں اور جدوجہد کا ثمرہ ہے کہ ہندوستان اندلس بننے سے بچ گیا۔ اس کے لئے انھوں نے ہر طرح کی قربانیاں پیش کیں، چکیاں پیسیں، جیل کی صعوبتیں برداشت کیں، ڈنڈے کھائے، کالے پانی کی سزا ہوئی۔ ان سب کے باوجود اسلام کی بقا اور سربلندی کے لئے ہمیشہ کفن بردوش انگریزوں کے سامنے سینہ سپر رہے، یہاں تک انگریزوں نے یہاں سے نکل جانے میں ہی عافیت سمجھی۔ اللہ ان انفاس قدسیہ کی مساعی کو قبول فرمائے۔ رحمہم اللہ رحمۃً واسعۃً

اس سلسلہ میں بیس بڑے مسلمان، بیس مردان حق (مرتبہ: حافظ عبدالرشید ارشد) علماء ہند کا شاندار ماضی، ماہنامہ الرشید والجمعیۃ کے دارالعلوم نمبر، سیرت شیخ الاسلام، سوانح قاسمی، حیات شیخ الہند، اسیران مالٹا اور تحریک شیخ الہند وغیرہ کا مطالعہ کرنا چاہئے۔

☆☆☆☆☆